مطالعۂ قرآنِ حکیم کا

منتخب نصاب

حصّہ پنجم

نکات برائے درس وتدریس

انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی (رجسٹرڈ)
قرآن اکیڈمی' خیابانِ راحت' درخشاں' ڈیفنس فیز VI ' کراچی
فون نمبر: 5340022-23 ' فیکس: 5840009
ای میل: karachi@quranacademy.com
ویب سائیٹ: www.quranacademy.com

نام کتاب ———— منتخب نصاب - حصہ پنجم
نکات برائے درس و تدریس

طبع اوّل (جولائی 2005) —— 1000

زیرِ اہتمام ———— شعبہ تعلیم و تدریس
انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی

مقام اشاعت ———— قرآن اکیڈمی، DM - 55،
درخشاں فیز VI ڈیفنس، کراچی

قیمت ———— -/100 روپے

انتساب

اُن باہمت حضرات وخواتین کے نام

جو الفاظِ قرآنی

ھُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس: 58)

پر یقین کی عملی مثال قائم کرتے ہوئے

اور حدیثِ نبوی ﷺ

خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ (بُخارِیؒ)

کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے

دنیا کی عارضی لذتوں کے مقابلے میں

آخرت کی ابدی کامیابی کے حصول کے لئے

اپنی بہترین صلاحیتیں

قرآنِ کریم کے سیکھنے اور سکھانے کے لئے

وقف کردیں۔

فہرست

1	حقیقتِ صبر	6
2	درسِ اوّل: سورۂ عنکبوت آیات 1 تا 13	25
3	درسِ دوم: سورۂ عنکبوت رکوع 5 تا 7	50
4	درسِ سوم: سورۂ کہف آیات 27 تا 29	65
5	درسِ چہارم: سورۂ بقرۃ آیات 153 تا 157	88
6	درسِ پنجم: غزوۂ بدر	110
7	درسِ ششم: غزوۂ اُحد	132
8	درسِ ہفتم: غزوۂ احزاب	156
9	درسِ ہشتم: صلح حدیبیہ	176
10	درسِ نہم: فتحِ مکہ	198
11	درسِ دہم: غزوۂ تبوک	226

حوالہ جات

☆ ''مطالعہ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب'' کتابی صورت میں جس میں منتخب نصاب میں شامل تمام مقامات کا متن، ترجمہ اور مختصر تفسیر موجود ہے۔

☆ منتخب نصاب کے تمام مقامات کے مختصر لیکن جامع دروس پر مشتمل الہدیٰ سیریز کے 44 آڈیو کیسٹس

☆ منتخب نصاب کے تمام مقامات کے دروس پر مشتمل الہدیٰ کمپیوٹر CD

☆ منتخب نصاب کے تمام مقامات کے تفصیلی دروس پر مشتمل 98 آڈیو کیسٹس/49 ویڈیو کیسٹس

منتخب نصاب حصّہ پنجم کا تعارف

منتخب نصاب حصہ پنجم کا موضوع ہے صبر و مصابرت ۔صبر و ثبات، ہمت و جرأت اور پامردی و استقلال کی کامل ترین مثال تھے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ۔ لہٰذا منتخب نصاب حصہ پنجم کے اسباق، دورِ نبوی ﷺ میں پیش آنے والے صبر کے مختلف مواقع سے ایک تدریج کے ساتھ بحث کرتے ہیں۔

منتخب نصاب حصہ پنجم کی ابتدا حقیقتِ صبر کے موضوع پر ایک مضمون سے ہوتی ہے اور اُس کے بعد دس اسباق اِس حصہ میں شامل ہیں۔

- پہلا درس سورۂ عنکبوت کے پہلے رکوع پر مشتمل ہے۔ اِس رکوع میں اہلِ ایمان کو اُن حالات میں صبر و ثبات کی تلقین کی گئی جبکہ وہ کفار کی طرف سے بہیمانہ تشدد پر گھبرا گئے تھے۔
- دوسرا درس سورۂ عنکبوت کے آخری تین رکوعوں میں سے اُن ہدایات کے بیان پر مشتمل ہے جو اُن حالات سے متعلق ہیں جب اہلِ ایمان پر ظلم و ستم اپنی آخری حدوں کو پہنچ رہا ہو۔
- تیسرا درس سورۂ کہف کی آیات 27 تا 29 پر مشتمل ہے جس میں اُس صورتِ حال میں صبر اور استقامت کی تلقین ہے جب باطل یہ محسوس کر چکا ہو کہ وہ اہلِ حق کو تشدد یا لالچ کے ذریعہ جادۂ حق سے نہیں ہٹا سکتا، لہٰذا وہ اہلِ حق کو سودے بازی کے جال میں جکڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔
- چوتھا درس سورۂ بقرۃ کی آیات 153 تا 157 پر مشتمل ہے جس میں مسلمانوں کو ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد قتال کے کٹھن مراحل میں صبر و ثبات کے حوالے سے اہم ہدایات دی گئی ہیں۔
- پانچویں درس سے لے کر دسویں درس میں بالترتیب غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب، صلح حدیبیہ، فتحِ مکہ اور غزوۂ تبوک کے مواقع پر پیش آنے والی آزمائشوں پر صبر کے مراحل کا بیان ہے۔

حقیقتِ صبر

☆ موضوع کی اہمیت :

انسان کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اسے اللہ کی محبت وقربت اور آخرت میں جنت کی عظیم نعمت حاصل ہو جائے۔ اس کامیابی کے حصول کا ذریعہ ہے صبر۔ اس حوالے سے آیاتِ قرآنی کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات قابلِ ذکر ہیں :

1- صبر اللہ کے محبوب بندوں کی صفت ہے :

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿﴾

”یہ وہ لوگ ہیں جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے فرمانبرداری کرنے والے، (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور اوقاتِ سحر میں گناہوں پر بخشش مانگنے والے ہیں۔“ (آلِ عمران : 17)

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ﴿﴾ اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿﴾

”اور (اے نبیؐ) خوشخبری سنا دیجئے عاجزی اختیار کرنے والوں کو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دل لرز جاتے ہیں اور (جب) اُن پر مصیبت پڑتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو عطا کیا ہے اُس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔“ (الحج : 34-35)

2- اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے :

وَکَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَھَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَکَانُوْا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ﴿﴾

”اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے جنگ کی ہے

تو جو مصیبتیں اُن پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اُن کے سبب اُنھوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ بزدلی دکھائی، نہ (کافروں سے) دبے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے (ڈٹ جانے) والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (آلِ عمران : 146)

3- اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے :

﴿كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

''بارہا ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت غالب آگئی بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرۃ : 249)

﴿فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

''پس اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (الانفال : 66)

4- صبر دنیا میں اہلِ باطل سے حفاظت کا ذریعہ ہے :

﴿وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾

''اور اگر تم صبر کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تو اُن کی سازشیں تمھیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی اور اللہ اُن کی حرکتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' (آلِ عمران : 120)

5- راہِ حق میں مومنوں کو صبر کے امتحان سے گزرنا پڑے گا :

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ

مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿﴾

''(مومنو!) مال و جان میں تمہاری آزمائش ہو کے رہے گی اور تمہیں اہلِ کتاب اور مشرکین سے بہت زیادہ تکلیف دہ باتیں سُننا پڑیں گی اور اگر تم صبر کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تو یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔'' (آلِ عمران : 186)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿﴾

''اور ہم تمہیں آزماتے رہیں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں گے تم میں سے جہاد اور صبر کرنے (ڈٹ جانے) والوں کو اور ہم تمہارے حالات جانچ کر رہیں گے۔'' (محمد : 31)

6- صبر کرنے والوں کو اللہ بغیر حساب اجر عطا فرمائے گا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿﴾

''بے شک صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بغیر حساب کے ملے گا۔'' (الزمر : 10)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿﴾

''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم اُن کو ضرور اُن کے بہترین اعمال کی مناسبت سے بدلہ دیں گے۔'' (النحل : 96)

7- جنت صبر ہی کا بدلہ ہے :

رمضان المبارک کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ

''اور وہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر ہی ہے جس کا بدلہ جنت ہے۔'' (بیہقی)

قرآنِ حکیم میں اللہ نے مومنوں کو خبردار فرمایا :

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں۔'' (آل عمران : 142)

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کافروں سے فرمائیں گے کہ وہ لوگ جن کا تم دنیا میں مذاق اڑاتے رہے، جن کی عملی جدوجہد میں تم رکاوٹ بنتے رہے، جنہیں کمزور دیکھ کر تم نے دبائے رکھا اور وہ کمالِ ہمت و بردباری سے صبر کا دامن تھامے رہے، دیکھو آج اس صبر کی بدولت میں انہیں کیسا بدلہ دے رہا ہوں، کیا اعلیٰ مقامات انہیں حاصل ہو رہے ہیں! الفاظِ قرآنی ہیں :

اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿﴾

''آج میں نے انہیں بدلہ دے دیا جو انہوں نے صبر کیا تھا، بلاشبہ وہی منزلِ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔'' (المؤمنون : 111)

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿﴾ (الدھر : 12)

''اور وہ (اللہ) اُن کے صبر کے بدلے انہیں دے گا جنت اور ریشم (کا لباس)۔''

فرشتے اہلِ جنت سے کہیں گے :

سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿﴾ (الرعد : 24)

''تم پر سلام ہو اس صبر کی وجہ سے جو تم نے کیا، پھر عمدہ ہے عاقبت کا گھر۔''

☆ مفہوم :

لفظ صبر کا مادہ ہے ص ب ر باب ضَـــرَبَ سے اس کے لغوی معنی ہیں جھیلنا، برداشت کرنا یا خود کو روکنا۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں :

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ

خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾

''اور اگر تم اُن سے بدلہ لینا چاہو تو اتنا ہی لو جتنی تکلیف تمہیں اُن سے پہنچی اور اگر برداشت کرو تو وہ صبر کرنے والوں کیلئے بہت اچھا ہے۔'' (النحل : 126)

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

''اور (اے نبی ؐ) اپنے آپ کو روکے رکھیے اُن کے ساتھ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہیں۔'' (الکہف : 28)

اصطلاحی طور پر صبر کے معنی ہیں ناخوشگوار حالات میں استقامت کے ساتھ ڈٹے رہنا، مخالف قوتوں سے الجھنا اور اپنے موقف و مشن سے پیچھے نہ ہٹنا۔ قرآنِ حکیم میں حضرت طالوت کے ساتھیوں کی دعا بیان کی گئی :

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْکٰفِرِيْنَ ﴿﴾

''اے ہمارے رب ہمیں بھرپور استقامت عطا فرما اور ہمارے قدموں کو جما دے اور کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔'' (البقرہ : 250)

کشاکشِ خس و دریا ہے دیدنی کوثر
الجھ رہے ہیں زمانے سے چند دیوانے

☆ صبر کی اقسام :

صبر کی دو اقسام ہیں یعنی حادثات پر صبر کرنا اور کسی مقصد کی خاطر صبر کرنا۔

1 – حادثات پر صبر :

حادثات کے حوالے سے ہدایتِ ربانی ہے :

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ ۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

''کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اُس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔'' (التغابن : 11)

بندۂ مومن حادثات کو منجانب اللہ اور ذریعۂ آزمائش سمجھتا ہے اور پھر اللہ سے اجر کی امید پر فوری صبر کرتا ہے۔ اسے صبرِ جمیل کہا جاتا ہے۔ ویسے صبر تو ہر انسان کو کرنا پڑتا ہے کیوں کہ مرثیوں، ماتم، نالہ وفریاد، بال نوچنے، گریبان پھاڑنے اور سر پر خاک ڈالنے سے حادثات کی تلافی نہیں ہوجاتی لیکن یہ سب کرنے کے بعد کا صبر انسان کو اجر سے محروم کردیتا ہے۔ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ صبرِ جمیل کیا جائے۔

2- کسی مقصد کی خاطر صبر کرنا :

مقصد مثبت بھی ہوسکتا ہے اور منفی بھی، البتہ ہر مقصد کے حصول کے لئے صبر و استقامت ناگزیر ہے۔ مثبت مقصد کے لئے بھی صبر کی دو صورتیں ہیں :

i- **اعمالِ صالحہ کے لئے صبر کرنا :** نیکی پر کاربند رہنے کے لئے یا گناہ سے بچنے کے لئے انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً فجر کی نماز کی ادائیگی کے لئے روزانہ اپنی نیند کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان ضرورت مند ہو اور اُس کے لئے حرام کمائی کا حصول ممکن ہو تو خود کو اس سے روکنا بغیر صبر کے ممکن نہیں۔ صبر ہی کے ذریعہ انسان ایمان پر کاربند رہتا ہے اور عملِ صالح کے بنیادی تقاضے پورے کرتا ہے۔ پھر اپنے جذبات کو تھامنا بھی صبر ہی سے ممکن ہوتا ہے اور خواہشات کی لگامیں بھی صبر ہی کے ذریعے کھینچی جاسکتی ہے۔ سورہ نازعات آیت **40** میں فرمایا گیا :

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤٠﴾

''اور جو اپنے رب کے سامنے جواب دہی کے احساس سے ڈرتا رہا اور اُس نے اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے روکے رکھا تو جنت ہی اُس کا ٹھکانہ ہے۔''

اس آیت میں صبر ہی کا بیان ہے جس کے ذریعہ خواہشات کو دبانا، شہوات کو لگام

دینا اور مرغوباتِ نفس کے حصول کے لئے طبیعت میں جو طوفان بپا ہے اُس کو روک کر رکھنا ممکن ہوتا ہے۔ اِس کے بعد انسان ایمان پر گامزن رہ سکتا ہے اور عملِ صالح کے مدارج و مراتب طے کر سکتا ہے۔

ii - **تواصی بالحق کے لئے صبر کرنا:** کسی بھی انسان کو حق کی تبلیغ کے مشن سے ہٹانے کے لئے طنز و تشدد بھی کیا جاتا ہے، لالچ بھی دی جاتی ہے اور سودے بازی کی پیشکش بھی کی جاتی ہے۔ صبر یہ ہے کہ اپنی منزل اور اپنے ہدف کے تعین کے بعد انسان پوری ثابت قدمی سے اس کی طرف پیش قدمی جاری رکھے۔ کوئی مخالفت، کوئی رکاوٹ، کوئی تشدد، اُسے اپنے مقصد اور اپنی منزلِ مقصود کی جانب پیش قدمی سے روک نہ سکے، کوئی طمع، کوئی لالچ، یا کسی اعتبار سے مرغوباتِ نفس کی کوئی کشش اُس کی راہ میں حائل نہ ہو سکے اور نہ ہی سودے بازی کی کوئی پیشکش اُسے باطل کے ساتھ سمجھوتے پر آمادہ کر سکے۔ تواصی بالحق کو جاری رکھنے کے لئے ان تینوں صورتوں میں صبر کرنا پڑتا ہے۔

اِس حوالے سے نبی اکرم ﷺ صبر و ثبات کی کامل مثال ہیں۔ مکی دور کے ابتدائی چھ سالوں میں آپ پر طنز و تشدد کے پہاڑ توڑے گئے لیکن آپ ﷺ اپنے مشن پر ڈٹے رہے۔ پھر آپ ﷺ کو دولت، بادشاہی اور مکہ کی خوبصورت ترین خاتون سے شادی کی پیشکش کی گئی لیکن آپ ﷺ کسی **temptation** سے مرعوب نہ ہوئے۔ مکی دور کے آخر میں آپ ﷺ کو سودے بازی کی پیش کش کی گئی لیکن آپ ﷺ نے اِس پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا۔

سید قطب شہیدؒ نے اپنی تفسیر ”فی ظلال القرآن“ میں صبر کی صورتیں بڑی وضاحت سے بیان کی ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ بیان، راہِ حق کی جدوجہد کے عملی تجربات کا عکاس ہے:

''دعوتِ اسلامی اور راہِ حق میں ہر ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہوتا اور ہر ہر مرحلے پر مصائب منتظر ہوتے ہیں۔ اِس لئے صبر اس راہ کا بہترین زادِ راہ ہے۔ نفس کی خواہشوں اور رغبتوں پر صبر، اُس کی طمع اور لالچ پر صبر، اُس کے ضعف اور کمزوری پر صبر اور اُس کی جلدبازی پر صبر اور لوگوں کی جہالتوں پر صبر، اُن کے غلط تصورات پر صبر، اُن کی کج فطرتی پر صبر، اُن کی کج باطنی پر صبر، اُن کی کج فہمی پر صبر، اُن کے غرور اور اُن کے حق سے گریز پر مبنی حیلے اور بہانوں پر صبر، باطل کے پھلنے پھولنے، سرکشی کے سر اٹھانے اور شر کے طاقتور ہونے پر صبر، بے یارومددگار ہونے، راہ کے طویل اور پُرصعوبت ہونے پر صبر، تنگی اور تکلیف میں آنے والے شیطانی وساوس پر صبر، رنج وغم، غصہ وطیش اور بے اعتمادی اور نا اُمیدی جیسے نفسیاتی امراض پر صبر، قدرت، نصرت، غلبہ، سہولت اور آسانی کے موقع پر ضبطِ نفس پر صبر اور اِس موقع پر شکرِ الٰہی بجالانا ہر تنگی اور فراخی میں اللہ کی رضا مدنظر رکھنا اور ہر معاملے میں اُسی پر توکل کرنا اور اُسی سے ڈرنا اور اُسی کا تقویٰ اختیار کرنا۔ اِن تمام اُمور پر صبر اور اُن تمام اُمور پر صبر جو سالک یعنی راہِ حق کے مسافر کی راہ میں پیش آئیں اور جن کا کوئی احاطہ نہیں ہوسکتا اور نہ اِن تجربات کو اور اِن کی تلخیوں کو الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے، بلکہ راہِ حق کا راہی خود ہی اِس لذت کو محسوس کرسکتا ہے اور جان سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں جن مؤمنین اوّلین کو مخاطب کیا گیا ہے وہ پوری طرح اِس لفظ صبر کے مفہوم کو سمجھ رہے تھے کیوں کہ وہ عملاً اور بالفعل اِن حالات سے گزر رہے تھے۔''

☆گذشتہ اسباق میں صبر کا ذکر :

منتخب نصاب کے گذشتہ اسباق میں صبر کا ذکر پانچ مرتبہ آیا ہے :

1 - سورۃ العصر میں صبر کو نجاتِ اخروی کی لازمی شرط اور صراطِ مستقیم کا آخری سنگِ میل قرار دیا گیا:

وَالْعَصْرِ ﴿﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿﴾

''قسم ہے تیزی سے گزرتے ہوئے زمانے کی بے شک تمام انسان واقعی خسارے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کیے اور باہم مل کر حق کی تاکید کی اور باہم مل کر صبر کی تلقین کی۔''

2 - سورہ بقرہ آیت **177** میں صبر کو نیکی اور تقویٰ کا نقطۂ عروج (climax) قرار دیا گیا:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ

''(نیک لوگ بالخصوص) صبر کرنے والے ہوتے ہیں سختیوں میں اور تکالیف میں اور لڑائی کے وقت۔''

3 - سورۂ لقمان آیت **17** میں اس مسلمہ حقیقت کی طرف رہنمائی کی گئی کہ ''اَلْحَقُّ مُرٌّ'' سچ کڑوا ہوتا ہے۔ سچائی عام طور پر قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کی تبلیغ کے ردِ عمل میں تکالیف آئیں گی، اُن کو برداشت کرنے کے لئے صبر کا بھرپور مادّہ ہونا چاہئے۔ پہلے سے تیار ہو جاؤ کہ یہ راستہ پُرخار ہے، اس میں مخالفتوں کے کانٹے بچھے ہوئے ہیں، یہ پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو حکم دیتے ہیں:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿﴾

''اے میرے بیٹے! قائم کر نماز اور حکم دے نیکی کا اور روک برائی سے اور صبر کر اُس پر جو تجھ پر بیتے بے شک یہ ہے ہمت کے کاموں میں سے۔''

4 - سورہ حٰم السجدۃ آیت **35** میں صبر کی چوٹی یہ بتائی گئی کہ برائی کا جواب بھلائی سے

دیا جائے۔ البتہ آگاہ کر دیا گیا کہ:

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿﴾

''اور نہیں ملتی یہ سعادت مگر اُن کو جنہوں نے صبر کیا اور نہیں ملتی یہ سعادت مگر اُن کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔''

5- سورۂ فرقان آیت **75** میں یہ حقیقت واضح کی گئی کہ قرآن کا انسانِ مطلوب بننے کے لئے درکار اعلیٰ صفات کا حصول بغیر صبر کے ممکن نہیں۔ لہٰذا ایسے انسانوں کے لئے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا

''یہ ہیں وہ لوگ جن کو جنت کے بالا خانے عطا کیے جائیں گے اُس صبر کی وجہ سے جو اُنہوں نے کیا۔''

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں صبر کا ذکر اِس طور سے کیا گیا ہے کہ سلوکِ قرآنی میں صبر بنیادی اور لازمی جزو کی حیثیت رکھتا ہے اور صراطِ مستقیم کا ہر ہر مرحلہ صبر ہی کے ذریعے طے پاتا ہے۔ اِس پورے عمل کے روحِ رواں، اِس کے لئے جذبہ محرکہ اور اِس کی شرطِ ناگزیر کے طور پر صبر ہی کا ذکر ہوتا ہے۔

☆ قرآنِ حکیم میں نبی اکرم ﷺ کو صبر کی تلقین:

قرآنِ حکیم کی ابتدائی نازل ہونے والی سورتوں میں صبر کے حکم کے مخاطبِ اوّل نبی کریم تھے۔ آپ ﷺ پر جب وحی کا نزول شروع ہوا تو فریضۂ رسالت کی ادائیگی کے پہلے حکم کے ساتھ ہی صبر کی ہدایت بھی نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿﴾

''اے لحاف میں لپٹنے والے ﷺ، کھڑے ہو جائیے اور خبردار کیجئے اور اپنے رب کی

بڑائی قائم کیجئے اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے اور ہر نجاست سے دور رہیے اور (اس نیت سے) احسان نہ کیجئے کہ اس سے زیادہ کے طالب ہوں اور اپنے رب کے لئے صبر کیجئے۔"

ان آیات میں آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا گیا کہ جس راہ پر آپ ﷺ نے قدم رکھا ہے، صبر اس کا لازمی تقاضا ہے۔ اب جھیلنا ہوگا، برداشت کرنا ہوگا اور تحمل کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ مصائب، تکالیف اور آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہوگا۔ چنانچہ کئی مکی سورتوں میں آپ ﷺ کے لئے صبر کا ذکر کہیں حکم کے انداز میں اور کہیں تلقین وہدایت کے پیرائے میں آیا ہے۔

- جب نبی اکرم ﷺ نے دعوت کا آغاز فرمایا تو سب سے پہلا ردِ عمل جو اُس معاشرے کی جانب سے ظاہر ہوا وہ تمسخر واستہزا کی صورت میں تھا۔ کسی نے آپ کو پاگل کہا (حجر: 6)، کسی نے شاعر ہونے کا بہتان لگایا (طور: 30)، کسی نے سحر زدہ ہونے کا طعنہ دیا (فرقان: 8) اور سب سے بڑی گستاخی یہ کی گئی کہ آپ ﷺ کو جادوگر اور بہت بڑا جھوٹا قرار دیا گیا "نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ" :

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝

"اور کافر کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر ہے بہت بڑا جھوٹا۔" (ص: 6)

ان سب باتوں کے جواب میں نبی اکرم ﷺ کو صبر کرنے، جھیلنے اور برداشت کرنے کا حکم دیا گیا۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝

"اور (اے نبیؐ) صبر کیجئے اُن کڑوی باتوں پر جو یہ کہہ رہے ہیں اور ان سے علیحدگی اختیار کیجئے بڑی خوبصورتی کے ساتھ۔" (المزمل: 10)

- اس کے بعد جب کفار نے تمسخر واستہزاء سے بڑھ کر آپ ﷺ کے خلاف طرح طرح کی سازشوں کا آغاز کیا تو اللہ نے آپ ﷺ کو تلقین فرمائی :

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿﴾

''اور (اے نبیؐ) صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ ہی کی مدد سے ہے اور اُن کے بارے میں غم نہ کیجئے اور اُن کی سازشوں کی وجہ سے تنگدل نہ ہوجایئے ۔ بے شک اللہ ساتھی ہے پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کا۔'' (النحل : 127 - 128)

- جب کفار کی مخالفت نے تشدد کی صورت اختیار کرلی تو آپ ﷺ کو تسلی دی گئی :

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا (الانعام : 34)

''اور آپؐ سے پہلے بھی رسولؑ جھٹلائے جاتے رہے پھر وہ (رسولؑ) جھٹلانے اور ایذا رسانی پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد آ پہنچی ۔''

- کفار کی ضد جب مزید بڑھتی چلی گئی اور عذاب کی وعید سے ڈرنے کے بجائے جب وہ فوری عذاب کا مطالبہ کرنے لگے تو آپ ﷺ کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہونے لگا اور آپ ﷺ بھی خواہش کرنے لگے کہ اب اُنہیں اپنے سیاہ اعمال کی سزا مل ہی جائے تو ایسے میں اللہ نے فرمایا :

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ

''اور (اے نبیؐ) صبر کیجئے جیسے کہ ہمارے صاحبِ عزیمت رسولؑ صبر کرتے رہے ہیں اور ان کے بارے میں جلدی نہ کیجئے ۔'' (الاحقاف : 35)

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ﴿﴾

''پس (اے نبیؐ) صبر کیجئے خوبصورتی کے ساتھ!'' (المعارج : 5)

- مکی دور کے آخر میں کفار آپ ﷺ کو سودے بازی کی پیشکش کرتے رہے تا کہ آپؐ اپنے موقف میں کچھ لچک پیدا کرلیں لیکن آپ ﷺ کو حکم دیا گیا :

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّکَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ کَفُوْرًا ﴿﴾

''پس (اے نبیؐ) اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور ان گناہوں میں ڈوبے ہوئے منکر لوگوں کی باتوں میں نہ آیئے۔'' (الدھر : 24)

- مکی دور کے آخر میں جب قریش کی ہٹ دھرمی اور ضد اپنی آخری حدوں کو پہنچ گئی تو اللہ نے صحابہ کرامؓ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ حضرت یونسؑ کی طرح نبی کریمؐ بھی کفار کی حق دشمنی سے بیزار اور ہجرت کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ ایسے میں اللہ نے آپ ﷺ کو نصیحت فرمائی :

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّکَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ

''(اے نبیؐ) اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کے مانند نہ ہو جایئے۔'' (القلم : 48)

☆ قرآنِ حکیم میں صحابہ کرامؓ کو صبر کی تلقین :

- مکی دور کے وسط میں جب کفار زبانی استہزاء سے بڑھ کر مار پیٹ اور تشدد پر اتر آئے تو صحابہ کرامؓ کو ہدایت دی گئی کہ ہر طرح کی مخالفت کو بغیر کسی ردِ عمل کے برداشت کیا جائے لیکن اپنے موقف پر ڈٹ کر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جائے :

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ (النساء : 77)

''کیا تم نے نہیں دیکھا اُن کو جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔''

- اس کے بعد صحابہ کرامؓ کو صرف صبر ہی کی نہیں بلکہ درگذر کرنے کی تلقین کی گئی :

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿﴾ (الشوریٰ : 43)

''اور یقیناً جس نے صبر کیا اور درگذر کر دیا تو بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

- اس کے بعد انتہائی مشکل ہدایت دی گئی کہ مخالفت کے جواب میں صرف خاموش ہی نہیں رہنا بلکہ برائی کا جواب حُسنِ سلوک سے دینا ہے :

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿﴾

''اور جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (مصائب پر) صبر کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔'' (الرعد : 22)

- ہجرت مدینہ کے بعد صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھا کہ شائد اب مشکلات ختم ہو گئیں کیونکہ مدینہ میں اوس اور خزرج کی اکثریت مسلمان ہو چکی ہے اور یہاں مشرکین مکہ جیسے مخالفین موجود نہیں۔ ایسے میں اللہ نے فرمایا کہ اب تو امتحانات و آزمائش کا نیا مرحلہ شروع ہوگا اور اب تو جنگ کرنے کا حکم دیا جائے گا لہٰذا جانوں کے نذرانے اللہ کی راہ میں پیش کرنے ہوں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾

''اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُنہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مال، جانوں اور میووں کے نقصان سے اور (اے نبیؐ) بشارت دیجیے صبر کرنے والوں کو۔'' (البقرۃ : 153 - 155)

- پھر جب جنگ کا مرحلہ شروع ہو گیا تو اللہ کی طرف سے حکم آیا :

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾

''مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ فلاح حاصل کر سکو اور اللہ اور اُس کے رسول ؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا رعب جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (الانفال: 45 - 46)

☆ محض صبر نہیں ، مصابرت درکار ہے :

صبر کی تلقین کے حوالے سے سورۃ آلِ عمران کی آخری آیت بڑی اہمیت کی حامل ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿﴾

''اے ایمان والو! صبر کی روش اختیار کرو اور صبر کے معاملے میں (اپنے مخالفین پر) بازی لے جاؤ اور باہم متحد رہو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

- اس آیت کے ابتدائی حصے میں صبر کے حوالے سے مسلمانوں کو دو حکم دیئے جا رہے ہیں۔ ایک ہے ''اِصْبِرُوْا'' یعنی صبر کرو اور دوسرا ہے ''صَابِرُوْا'' یعنی صبر میں کفار کا مقابلہ کرو۔ دوسرا حکم ''بابِ مفاعلہ'' سے ہے جس کا مصدر ہے ''مصابرۃ۔ صبر ایک یک طرفہ عمل ہے جبکہ مصابرت میں مخالف فریق کے ساتھ کشمکش پائی جاتی ہے۔ ایک بندۂ مومن جس ماحول میں ایمان اور عملِ صالح کی منزلیں طے کرتا ہے وہاں کوئی خلا نہیں ہوتا۔ اگر اس کا ایک مخصوص نظریہ ہے تو اسی معاشرے میں اور بھی نظریات کارفرما ہیں۔ یہ دنیا مختلف نظریات کی ایک آماج گاہ ہے، یہاں تو کشاکش (struggle) ہو کر رہے گی۔ اسی لئے اس آیت میں ''صبر'' کے ساتھ مصابرت کا بھی ذکر ہے۔ مراد یہ ہے کہ اہلِ کفر اپنے نظریات کے دفاع میں صبر کر رہے ہیں اور

ان نظریات کی خاطر جان و مال کی قربانیاں دے رہے ہیں۔ اے اہلِ ایمان! تمہیں اللہ کے دین کی سر بلندی کے لئے صبر کرنا ہے اور جان و مال نچھاور کرنے میں اُن سے بازی لے جانا ہے۔ جب تک تم اُنہیں اس مقابلہ صبر میں نیچا نہ دکھاؤ گے، آگے نہ بڑھ سکو گے۔ اگر تم نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور " لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ " کا معاملہ صرف اِسی صورت میں ممکن ہے۔

- ہونا تو یہ چاہئے کہ دین کے مخالفین کے ساتھ تصادم، کشمکش اور ٹکراؤ میں ہمارا صبر اُن کے صبر پر سبقت لے جائے اور ہمارا ایثار وقربانی دشمنوں سے بڑھ جائے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ہر ایثار وقربانی پر اللہ کے ہاں اجر ملے گا جبکہ کفار کو ایسی کوئی امید نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿﴾

" اور کفار کا تعاقب کرنے میں سستی نہ کرو۔ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے تو کفار کو بھی اُسی طرح تکلیف پہنچی ہے جیسے تمہیں پہنچی ہے اور تم اللہ سے ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔" (النساء : 104)

☆ صبر کرنے والوں کے لئے اعلیٰ ترین اعزاز :

سورۂ سجدہ آیت 24 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿﴾

" اور ہم نے اُن میں سے امام بنائے جو رہنمائی کرتے تھے (لوگوں کی) ہمارے حکم کے مطابق، (انہیں منصبِ امامت اُس وقت دیا گیا) جب اُنہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔"

- اِس آیت میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے انسان کے لئے ایک بہت بڑے اعزاز یعنی اُسے

منصبِ امامت عطا کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ منصبِ امامت پر جس خوش نصیب کو فائز کیا جاتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ دین کا علم اور فہم عطا فرماتے ہیں۔ ایسے صاحبِ علم کی فضیلت قرآنِ حکیم میں اس طرح بیان ہوئی :

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿ (الزمر : 9)

''(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے ؟''

حدیثِ مبارکہ ہے :

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (بخاری)

''جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔''

اب لوگ اِس صاحبِ علم کی طرف رہنمائی کے لئے رجوع کرتے ہیں۔ ایسے شخص کے ذریعہ جتنے لوگ راہِ ہدایت پاتے ہیں اُن سب کی نیکیوں کا اجر اِسے ملتا ہے اور اِس طرح وہ صدقۂ جاریہ کا ایک خزانہ اپنے لئے فراہم کرتا ہے۔ پھر اِس کی خوش نصیبی کا اندازہ اِس حدیث کی روشنی میں لگائیے :

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتّٰى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ

''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ پر۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ، اُس کے فرشتے اور آسمان و زمین والے، یہاں تک کہ بلوں میں چیونٹیاں اور حتیٰ کہ مچھلیاں بھی لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے لئے دُعائے خیر کرتی ہیں۔'' (ترمذی)

- منصبِ امامت پر فائز ہونے کی سعادت اُن لوگوں کو ملتی ہے جو :

i- صبر کرتے ہیں۔ ii- اللہ کی آیات پر یقین رکھتے ہیں۔

i- اس آیت میں صبر سے مراد ہے صبر عن الدنیا۔ ایک باصلاحیت آدمی میں امام بننے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اب اگر وہ دنیا کے لئے وقت لگائے گا تو اپنی صلاحیت کی وجہ سے دنیا میں بہت کچھ حاصل کرسکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ لذاتِ دنیا کو قربان کردے، اختیاری فقر اختیار کرلے اور ایک مشن کے تحت دین کی خدمت میں لگ جائے تو اللہ اس قناعت اور فقر کا اجر یہ دیتے ہیں کہ اُسے دنیا میں منصبِ امامت پر فائز کردیتے ہیں۔ یہ مقام اُسی کو ملتا ہے جس کے نزدیک دنیا کی آسائشوں کی قدر مچھر کے پر سے بھی کم ہوتی ہے۔ اُسے یہ پرواہ نہیں ہوتی کہ اُس کے ساتھی دنیا میں اُس سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ اُسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (آخرت کی نعمتیں بہتر اور دائمی ہیں)۔ یہ یقین اُس کی بات میں اثر پیدا کرتا ہے۔

ii- اللہ کی آیات پر یقین رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ خدمتِ قرآن کو اعلیٰ ترین career اور اپنے لئے سب سے عظیم سرمایہ سمجھتے ہیں۔ سورہ یونس آیت 58 میں عظمتِ قرآن اس طرح بیان کی گئی کہ:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اُس کی مہربانی سے (نازل ہوا) ہے تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اُس (مال واسباب) سے کہیں بہتر ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں۔"

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ (بخاری)

''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔''

جس نے دنیا کے اعلیٰ **careers** کو قربان کر کے خدمتِ قرآن کو اپنا مشن بنا لیا اور وہ اِس خدمت کو اپنے لئے متاعِ بے بہا سمجھتا ہے، اُس کے لئے اقبال کے یہ اشعار کتنے برمحل ہیں:

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر!
اِسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلہ میں لٹا دے اِسے
لٹا دے! ٹھکانے لگا دے اِسے

منتخب نصاب حصہ پنجم

درسِ اوّل: سورۂ عنکبوت آیات 1 تا 13

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ﴿١﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿٢﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣﴾ اَمْ حَسِبَ
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٤﴾ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ
اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٥﴾ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ
اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَيَّ
مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿٩﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ
جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ
اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿١١﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ
خَطٰيٰكُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ
اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْـَٔـلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣﴾

☆ تمہیدی نکات :

۱ - منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ اوّل سورۃ عنکبوت کے پہلے رکوع یعنی آیات 1 تا 13 پر مشتمل ہے۔

۲ - سورۂ عنکبوت کا زمانۂ نزول سن ۵ نبوی ﷺ ہے۔ اس زمانے میں سردارانِ قریش کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم وتشدد کا بازار بھرپور طریقہ سے گرم تھا۔ مکی دور کے ابتدائی تین برسوں میں دشمنانِ اسلام کی مخالفت زبانی کلامی تھی اور اُنہوں نے اپنے تمسخر واستہزاء کا ہدف نبی اکرم ﷺ کی ذات کو بنائے رکھا تا کہ آپ ﷺ کا حوصلہ پست ہو جائے، آپ ﷺ کی کمر ہمت ٹوٹ جائے اور آپ ﷺ اپنے مشن کو ترک کر دیں۔ آپ ﷺ صبر واستقامت کا پہاڑ تھے۔ آپ ﷺ ثابت قدمی سے اور انفرادی رابطوں کے ذریعہ لوگوں تک پیغامِ حق پہنچاتے رہے۔ اس کے نتیجہ میں نوجوانوں اور غلاموں کی ایک بڑی تعداد ایمان لے آئی۔ نبوت کے چوتھے برس آپ ﷺ نے علی الاعلان دین کی دعوت دینا شروع کی تو کفار نے محسوس کیا کہ یہ دعوت تو ایک بہت بڑے چیلنج کی شکل اختیار کر گئی ہے، "نظامِ کہنہ کے پاسبانو، یہ معرضِ انقلاب میں ہے" تب اُن کے کان کھڑے ہوئے اور سوچنے لگے کہ جسے ہم مشتِ غبار سمجھے تھے وہ تو ایک ایسی تیز آندھی بن رہی ہے جو ہمارے اس نظام اور مفادات (**vested interests**) کو خس وخاشاک کی طرح اڑا کر منتشر کر دے گی۔ یہیں سے وہ دور شروع ہوا جسے سیرت کی کتابوں میں "تَعْذِیْبُ الْمُسْلِمِیْنَ" یعنی مسلمانوں کی ایذا رسانی اور بہیمانہ تشدد (**persecution**) کا دور کہا جاتا ہے۔ کفار کی طرف سے جب مسلمانوں پر شدید جسمانی تشدد کیا جانے لگا تو بعض مسلمانوں کو کچھ گھبراہٹ لاحق ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ عنکبوت کی صورت میں ایک بھرپور خطاب نازل ہوا۔

۳- سورۃ عنکبوت کفار کی طرف سے بہیمانہ تشدد کے پس منظر میں نازل ہوئی۔ دو طبقات اس ظلم و ستم کا سب سے زیادہ نشانہ بنے۔ ایک نوجوان جن پر نہ صرف تشدد کیا گیا بلکہ انہیں گھروں سے نکال بھی دیا گیا۔ دوسرے غلام جن کا نہ کوئی پرسانِ حال تھا اور نہ ہی کوئی حقوق۔ وہ اپنے آقاؤں کی ایسی ملکیت تھے جیسے بھیڑ اور بکری کہ جب چاہا ذبح کر دیا اور جو چاہا اُن کے ساتھ سلوک کیا۔ حضرت بلال ؓ کو اُمیہ بن خلف تیز دھوپ میں تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر اوندھے منہ لٹا کر گھسیٹتا تھا۔ آلِ یاسر ؓ پر ابوجہل نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ جس وقت آلِ یاسر ؓ پر ابوجہل دست درازیاں کرتا اور اُنہیں تشدد کا نشانہ بناتا، نبی اکرم ﷺ اُن کی چیخ و پکار سن کر بے قرار ہو جاتے اور فرماتے: اِصْبِرُوْا یَا اٰلَ یَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمْ الْجَنَّۃُ ’’کہ اے یاسر ؓ کے گھر والو! صبر کرو، بے شک تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے‘‘۔ بالآخر ابوجہل نے حضرت یاسر ؓ اور اُن کی اہلیہ حضرت سمیہ ؓ کو بے دردی سے شہید کر دیا۔ حضرت خباب بن الارت ؓ کے لئے دہکتے ہوئے انگارے زمین پر بچھا دیئے جاتے اور پھر اُن کو ننگی پیٹھ اِن پر لٹا دیا جاتا۔ کمر کی کھال جلتی، چربی پگھلتی اور اس سے بتدریج وہ انگارے سرد ہوتے۔ یہ تھا وہ اذیت ناک سلوک جو اِن غلاموں اور بے یار و مددگار لوگوں کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ تشدد کا یہ سلسلہ مسلسل تین چار سال تک اپنے پورے نقطۂ عروج پر رہا۔ ظلم و ستم کے جس پس منظر میں یہ سورۃ نازل ہوئی اُس کا احساس حضرت خباب بن الارت ؓ کی بیان کردہ حسبِ ذیل روایت سے ہوتا ہے:

’’جب مصائب ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہو گئے تو ایک روز ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اُس وقت کعبے کے سائے میں اپنی چادر کا ایک تکیہ سا بنائے ہوئے استراحت فرما رہے تھے۔ ہم نے جا کر شکوہ کیا: کیا آپ ؐ ہمارے لئے اللہ سے مدد نہ مانگیں گے اور دعا نہ کریں گے؟ اس پر نبی ﷺ اٹھ کر بیٹھ

گئے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے ایک شخص کو زمین میں گڑھا کھود کر بٹھایا جاتا اور اُس کے سر پر آرہ چلا کر اُس کے دو ٹکڑے کردیے جاتے لیکن یہ عمل اُسے راہِ حق سے ہٹا نہ سکتا تھا۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوہے کی کنگھیوں سے کسی کی ہڈیوں پر سے گوشت کھرچ ڈالا جاتا لیکن دین سے اُسے دور نہ کیا جاسکتا۔ خدا کی قسم، یہ کام پورا ہوکر رہے گا یہاں تک کہ ایک شخص صنعاء سے حضر موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا کوئی نہ ہوگا جس کا وہ خوف کرے لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو۔'' (بخاری، ابوداؤد، نسائی)

۴- قرآنِ حکیم کا اسلوب خطیبانہ ہے اور ہر سورۃ اللہ کا ایک خطبہ ہے۔ خطیبانہ اسلوب کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے کہ:

i- ابتدائی اور آخری حصہ انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

ii- تحویلِ خطاب ہوتا ہے یعنی مخاطبین بدلتے رہتے ہیں اور کبھی حاضر کو غائب یا کبھی غائب کو حاضر تصور کر کے گفتگو کی جاتی ہے۔

iii- سوالات واعتراضات کو بیان کئے بغیر اِس انداز میں جواب دیا جاتا ہے کہ سننے والا سوالات واعتراضات کو خود ہی سمجھ لیتا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں امور سورۂ عنکبوت کے پہلے رکوع میں نمایاں ہیں۔ یہ سورۃ کا ابتدائی حصہ ہے اور اہم ہدایات پر مشتمل ہے، خطاب کا رُخ بیک وقت مسلمانوں کی طرف بھی ہے اور کفار کی طرف بھی اور تشدد کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہنوں میں جو سوالیہ کیفیات پیدا ہو رہی تھیں یا اُنہیں جو عملی مشکلات پیش آ رہی تھیں، اُن کا ازالہ بھی ان آیات میں موجود ہے۔

۵- تربیت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ محبت ودلجوئی کا انداز بھی اختیار کیا جائے اور سختی بھی برتی جائے۔ اِس مقام پر ہمیں اِن دونوں پہلوؤں کا امتزاج نظر آتا ہے۔ انسانوں کے حقیقی مربی اللہ کی طرف سے ایک طرف صحابہ کرامؓ کی کٹھن حالات

میں پُر ہمت اور ثابت قدم رہنے کے لئے حوصلہ افزائی بھی کی جارہی ہے اور دوسری طرف بے صبری پر متنبہ بھی کیا جارہا ہے۔ البتہ تربیت کے عمل کے دوران ڈانٹ اور سختی بھی محبت آمیز، پُر شفقت اور انسان کے لئے خیر کا باعث ہوتی ہے۔

آیات پہ غور و فکر

☆ آیت : 1 : الٓمّٓ ﴿۱﴾

یہ آیت حروف مقطعات پر مشتمل ہے۔ ان حروف کے حتمی اور یقینی معنی کوئی نہیں جانتا۔ ان کے مفہوم کے تعین میں اہلِ علم نے اپنے غور وفکر سے بہت سی آرا پیش کی ہیں لیکن حق بات یہی ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ ہی ان کے اصل مفہوم سے واقف ہیں۔

☆ آیت : 2 :

اَحَسِبَ النَّاسُ -- کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا -- اَنْ یُّتْرَكُوْا -- کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے -- اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا -- محض اِس لئے کہ اُنھوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے -- وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ اور اُنہیں آزمایا نہ جائے گا۔

- کفار کی طرف سے جب ظلم وستم کی انتہا ہوگئی تو اہلِ ایمان کی طرف سے کچھ بے صبری کا اظہار ہوا۔ اُس پر اِس آیت میں بڑے سخت انداز سے جھنجھوڑ اگیا۔ فرمایا گیا کہ لوگوں نے کیا سمجھا تھا، محض زبان سے کلمہ کے دو بول ادا کر کے جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ حاصل ہوجائے گا۔ کیا اُن کی جانچ پرکھ نہیں ہوگی؟ کیا اُنہیں ٹھوک بجا کر نہیں دیکھا جائے گا کہ واقعی ایمان اُن کے دلوں میں جاگزیں ہو چکا ہے یا یہ صرف زبانی دعویٰ تک محدود ہے؟ بلاشبہ جنت کے حصول کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں بلکہ یہ وہ راستہ ہے جس میں آزمائشوں کی خاردار جھاڑیاں قدم قدم پر موجود ہیں۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

جنت کا حصول کس قدر دشوار ہے اس کا اندازہ درج ذیل ارشادِ نبوی ﷺ سے ہوتا ہے:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ، وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

''جنت کو مشکلات سے گھیر دیا گیا ہے اور جہنم کو خواہشاتِ نفسانی سے'' (متفق علیہ)

- یہاں مسلمانوں سے براہِ راست خطاب کی بجائے اُن سے گفتگو صیغہ غائب میں ہو رہی ہے۔ یوں نہیں فرمایا کہ ''اے مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھا تھا......'' بلکہ فرمایا ''کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا......'' یہ اجنبیت اور غیریت کا انداز ہے جو انتہائی ناراضگی کو واضح کرنے کے لئے بڑا ہی لطیف پیرایہ ہے۔ اس حوالے سے ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور آج کے مسلمان کی سوچ کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے تو دعوتِ ایمان شعوری طور پر قبول کی تھی۔ اُن کا ایمان لانا ایک انقلابی قدم تھا کیونکہ اس کے لئے انہوں نے اپنے آبائی عقائد کو چھوڑا تھا اور گویا ایک طرح کا مجاہدہ اور ایثار کیا تھا۔ دوسری طرف ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہماری اکثریت بس ایک متوارث مذہبی عقیدے کی بنیاد پر مسلمان، یقینِ قلبی کی دولت سے محروم اور عملی اعتبار سے دینی تعلیمات سے کوسوں دُور ہے۔ اس کے باوجود ہم یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم تو بخشے بخشائے ہیں اور جنت ہمارا پیدائشی حق ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ:

جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گِل، کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

- اس آیت کے آخر میں فتنے کا لفظ آیا ہے۔ اس سے پہلے یہ لفظ سورۃ تغابن میں آچکا ہے یعنی إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ -- بے شک تمہارے مال اور اولادیں تو فتنہ یعنی ذریعۂ آزمائش ہیں۔ فتنہ عربی میں کسوٹی کو کہتے ہیں جس پر سونے کو رگڑ کر

دیکھا جاتا ہے کہ یہ خالص ہے یا اس میں کھوٹ شامل ہے۔ اللہ کی راہ میں آنے والی مشکلات و مصائب درحقیقت کسوٹی کے درجہ میں ہیں جن پر پرکھ کر کسی کے ایمان کی صداقت کو جانچا جاتا ہے۔

☆ آیت : 3 :

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ -- اور ہم ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں -- فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا -- پھر اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچوں کو -- وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ اور وہ ظاہر کر کے رہے گا جھوٹوں کو۔

- اس آیت میں اللہ کی ایک مستقل سنت کا بیان ہے۔ اللہ کا ہمیشہ سے یہ ضابطہ رہا ہے کہ جو بھی ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اللہ اُسے امتحانات اور آزمائشوں کے ذریعہ جانچتا ہے تاکہ کھرے کو کھوٹے سے اور سچے کو جھوٹے سے ممتاز کر دیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آلِ عمران : 179)

''اللہ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اُسی حال پر رہنے دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ وہ (آزمائش کے ذریعہ) جدا کر دے گا پاکیزہ لوگوں کو ناپاک لوگوں سے۔''

- فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا کا لفظی ترجمہ تو ہوگا ''پھر اللہ جان کر رہے گا سچوں کو۔'' لیکن چونکہ علمِ الٰہی قدیم ہے، اللہ کو کسی چیز کے جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہر شے کا علم اُسے از خود اور پہلے سے حاصل ہے، لہٰذا یہاں اس سے مراد ہوگی کہ ''اللہ ظاہر کر دے گا سچوں کو''۔

- اس آیت میں عربی زبان کے اعتبار سے انتہائی تاکیدی اسلوب آیا ہے۔ عربی زبان میں فعلِ مضارع سے قبل لامِ مفتوح اور اس کے آخر میں نونِ مشدد ہو تو اس سے بڑھ

کرنا کیدکا کوئی اسلوب نہیں ۔ "لَیَعْلَمَنَّ" کا مفہوم ہوگا کہ اللہ ضرور واضح کرے گا یا لازماً کھول کر رکھ دے گا کہ کون لوگ سچے ہیں اور کون ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر رہے ہیں ۔

- یہ بات ضروری ہے کہ ہم پھر سے ذہن میں تازہ کرلیں کہ اللہ کے نزدیک ایک سچا اور راست باز انسان وہ ہے جس کا ذکر منتخب نصاب میں پہلے آیۂ بر کے اختتام پر ہوا اور پھر حصر کے اسلوب میں سورۃ الحجرات کی آیت **15** میں اس طرح ہوا کہ :

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿﴾

"مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ ۔ یہی لوگ سچے ہیں ۔"

- سورۂ عنکبوت کی آیت **3** کا یہ مضمون قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر اسی شان اور اسی گھن گرج کے ساتھ آیا ہے :

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿﴾

"اے مسلمانو! کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے ۔ اُن پر سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ ہلا ڈالے گئے ، یہاں تک کہ پکار اٹھے رسول اور اُن کے ساتھی اہلِ ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اُس وقت اُنہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو ، اللہ کی مدد قریب ہے ۔" (البقرۃ : **214**)

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں۔" (آلِ عمران : 142)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً

"کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو ظاہر کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اُس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔" (التوبہ : 16)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿﴾

"اور ہم تمہیں آزما کر رہیں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں گے تم میں سے جہاد اور صبر کرنے (ڈٹ جانے) والوں کو اور ہم جانچیں گے تمہارے حالات۔" (محمدؐ : 31)

- اللہ کی راہ میں ابتلاء و آزمائش کی حکمت ہے کہ انقلابی جدوجہد کے لئے کام کرنے والی جماعت کو تطہیر کے عمل سے گزارا جائے۔ غلبۂ دین کی جدوجہد بڑے کٹھن مراحل سے گزرتی ہے اور کچے اور ناپختہ لوگوں پر انحصار اس کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ تطہیر کے عمل سے ناپختہ عناصر چھٹ جاتے ہیں اور صرف پختہ کار سرفروش ساتھ رہ جاتے ہیں جو کٹھن مراحل میں تن من دھن نثار کر کے اور ہر آزمائش میں ثابت قدم رہ کر تحریک کو کامیابی سے آگے بڑھاتے ہیں۔

☆ آیت : 4 :

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ -- کیا اُن لوگوں نے جو برائیاں (ظلم و ستم) کر رہے ہیں یہ سمجھ رکھا ہے -- اَنْ يَّسْبِقُوْنَا -- کہ وہ ہماری پکڑ سے بچ نکلیں گے

-- سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾ بری رائے ہے جو وہ قائم کررہے ہیں۔

- اِس آیت میں اُن کفار و مشرکین کی طرف روئے سخن ہے جن کے ہاتھوں مسلمانوں کو ایذائیں پہنچ رہی تھیں۔ فرمایا جارہا ہے کہ مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے والوں کی رسی دراز کی جارہی ہے تاکہ وہ اپنا خبثِ باطن ظاہر کرلیں اور اپنی تمام حسرتیں پوری کرلیں۔ عنقریب اللہ اِن ظالموں کی پکڑ فرمائے گا اور اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ -- بے شک اُس کی پکڑ دردناک اور سخت ہوتی ہے۔ (ھود : 102)
- اِس آیت میں بظاہر خطاب کا رُخ کفار کی طرف ہے لیکن دراصل اِس کا مقصد مسلمانوں کی تسلی و دلجوئی ہے۔ جن مسلمانوں کو ستایا جارہا تھا، اُن کے زخمی دلوں پر ہمدردی کا پھایا رکھا جارہا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ تمہیں ایذائیں دینے والے مشرکین ہماری گرفت سے بچ نکلیں گے۔ یہ تو ہماری حکمت ہے کہ ہم نے اُن کو مہلت دے رکھی ہے تاکہ تمہیں آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزار کر کندن بنایا جائے۔ لیکن اگر وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہماری پکڑ سے بچ نکلیں گے تو بڑے مغالطہ میں ہیں۔ تم مطمئن رہو، اُن میں سے ہر ایک کو اپنے کیے کی بھرپور سزا مل کررہے گی۔

ناز اتنا نہ کریں ہم کو ستانے والے
اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے

☆ آیت : 5 :

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ -- جو کوئی اللہ سے ملاقات کا اُمیدوار ہے -- فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ -- تو بے شک اللہ کا معین کردہ وقت آکر رہے گا -- وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۵﴾ وہ تو سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

- اِس آیت میں بھی مسلمانوں سے شفقت و ہمدردی کا اظہار ہے۔ مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم یہ سب تکالیف اِس لئے جھیل رہے ہو تاکہ جب تمہاری اللہ سے، جو کہ

تمہارا مطلوب و مقصود ہے، ملاقات ہو تو تم سرخرو ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہارے دل میں وسوسہ ڈال دے کہ کیا خبر ملاقات کا وقت آئے گا بھی کہ نہیں! مطمئن رہو اللہ کا وہ مقرر کیا ہوا وقت آ کر رہے گا۔ اِس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ کسی وسوسے کو ذہن کے قریب مت پھٹکنے دو، تمہارا اجر محفوظ ہے۔

- وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ کے الفاظ میں مظلومین کے لئے تسلی ہے کہ اُن کا معبود، جس کے لئے زخم کھائے جا رہے ہیں، کوئی بے خبر ہستی نہیں ہے۔ "مر گئے ہم اُنہیں خبر نہ ہوئی" والا معاملہ نہیں بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے علم اور اُس کی نگاہوں میں ہے۔ مظلومین کے دلوں سے نکلنے والی آہیں اللہ کے علم میں ہیں اور اُن کی زبان سے بلند ہونے والی چیخیں بھی اللہ سن رہا ہے۔ پتھروں پر گھسٹتے ہوئے حضرت بلالؓ کی زبان سے نکلنے والا کلمۂ توحید اَحَد، اَحَد اللہ سن رہا ہے اور پیاس کی شدت سے باہر نکلی ہوئی زبان اور دھوپ کی تمازت سے لبوں پر آئی ہوئی جان بھی اللہ دیکھ رہا ہے۔

☆ آیت : 6 :

وَمَنْ جٰهَدَ -- اور جو کوئی جہاد کرتا ہے -- فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ -- پس وہ تو جہاد کرتا ہے اپنے ہی لئے -- اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ بے شک اللہ کو تمام جہان والوں سے کوئی احتیاج نہیں۔

- اِس آیت میں تحدی کا رنگ نمایاں ہے۔ دوٹوک انداز میں فرمایا گیا کہ یہ خیال ہرگز دل میں نہ آئے کہ جو کوئی جہاد کر رہا ہے وہ اللہ پر کوئی احسان کر رہا ہے۔ اِس جد وجہد اور ایثار وقربانی کا تمام تر فائدہ خود تم ہی کو پہنچے گا۔ اِس کے ذریعہ سے تمہاری سیرت سنورے گی، تمہارا کردار پختہ ہوگا، تمہارے ایمان وعمل کو جلا حاصل ہوگی اور آخرت میں تمہیں اللہ کی رحمت کا سایہ اور جنت کی نعمتیں نصیب ہوں گی۔ قاری کا بہت ہی

عمدہ شعر ہے:

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

''بادشاہ کی خدمت کا تمہیں اگر کوئی موقع ملا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ اُس پر تمہارا کوئی احسان ہے بلکہ بادشاہ کا احسان مانو کہ اُس نے تمہیں اپنی خدمت کا موقع دیا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ جسے بھی اللہ نے اپنے دین کی خدمت کی توفیق دی ہے اُسے اللہ کا احسان مند ہونا چاہئے کہ اُس نے اِسے اپنی راہ میں قبول فرمالیا ہے۔

- اس آیت میں ''جہاد'' کا لفظ خصوصی طور پر توجہ کے لائق ہے۔ جہاد کے حوالہ سے ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ اِسے صرف قتال کے معنی میں لے لیا جاتا ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ بالاتفاق مکی ہے اور ہجرتِ حبشہ سے قبل نازل ہوئی۔ اس کا زمانہ نزول سن پانچ یا چھ نبوی ﷺ ہے۔ یہاں جہاد کی اصطلاح، قتال فی سبیل اللہ کے مفہوم میں نہیں ہوسکتی کیونکہ قتال کے مرحلہ کا آغاز تو مدنی دور میں ہوا۔ یہ سورۃ اُس وقت نازل ہوئی جب مسلمان صبرِ محض (Passive Resistance) کے مرحلہ میں تھے اور اُن کو حکم تھا کہ مار یں کھاؤ، سختیاں برداشت کرو لیکن مدافعت میں ہاتھ اٹھائے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہو۔ جدوجہد کی اس صورت کو یہاں جہاد کہا گیا۔

☆ آیت : 7 :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا -- وہ لوگ جو ایمان لائے -- وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ -- اور جنہوں نے نیک عمل کئے -- لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ -- ہم لازماً اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کردیں گے -- وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ اور ہم لازماً اُن کے اعمال کا بہترین بدلہ اُنہیں عطا کریں گے۔

- اس آیت میں ایک بار پھر اہلِ ایمان کو اطمینانِ قلب کے لئے بڑے تاکیدی اسلوب میں ایک عظیم بشارت کی نوید دی جارہی ہے۔ فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ ایمان اور عملِ صالح کا حق ادا کریں گے، نہ صرف اُن کی برائیاں معاف کردی جائیں گی بلکہ اُن کے اعمال کا بہترین بدلہ اُنہیں دیا جائے گا۔ آیت کے آخری حصہ کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُنہیں اُن کے بہترین اعمال کی مناسبت سے انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ انسان اپنے مزاج کے اعتبار سے بعض اعمال رخصت کی سطح پر انجام دیتا ہے اور بعض میں عزیمت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ یہاں خوشخبری دی گئی کہ روزِ قیامت اُن اعمال کے مطابق اجر دیا جائے گا جن میں عزیمت کا مظاہرہ کیا گیا۔
- اس آیت میں عملِ صالح کے مفہوم پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ اس آیت کے نزول کے وقت نہ ابھی پنج وقتہ نماز فرض ہوئی، نہ روزے کا کوئی حکم ابھی آیا، نہ زکوٰۃ کا کوئی نظام قائم ہوا اور نہ ہی شریعت کے اکثر احکامات نازل ہوئے تھے۔ غور کرنا چاہیئے کہ یہاں ''عملِ صالح'' سے آخر کون سا عمل مراد ہے؟ یہاں عملِ صالح کا مفہوم ہے ایمان لانے کے بعد تمام مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے ثابت قدم رہنا، نبی اکرمؐ کے ہر حکم کی اطاعت کرنا، جماعتی نظم کی پابندی کرنا، خاص طور پر ہر تشدد کو برداشت کرنا اور مدافعت میں ہاتھ نہ اٹھانا اور دین کی دعوت و تبلیغ میں نبی اکرم ﷺ کا دست و بازو بننا۔ یہ سب چیزیں عملِ صالح میں شامل ہیں۔ گویا ایک لفظ میں اگر ہم یوں کہیں کہ اس آیت میں ''عملِ صالح'' سے مراد ایمان کے عملی تقاضوں کی ادائیگی ہے تو یہ درست ہوگا۔ آج ہمارا عملِ صالح کا تصور صرف عبادات اور چند ظواہر تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ خاص طور پر دین کی تعلیمات سیکھنے اور انہیں عام کرنے اور دین کی مؤثر خدمت کے لئے کسی جماعتی نظم اختیار کرنے کو ہم اپنے اعمال کی فہرست میں شامل ہی نہیں سمجھتے۔ گویا ہمارے ذہنوں میں عملِ صالح کا جو نقشہ بنا ہوا ہے، اس

کا ابتدائی مکی دور میں وجود نہیں تھا۔

☆ آیت : 8 :

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا -- اور ہم نے انسان کو وصیت کی اُس کے والدین کے بارے میں حُسنِ سلوک کی -- وَإِنْ جَاهَدَاكَ -- اور اگر وہ دونوں تجھ سے جہاد کریں -- لِتُشْرِكَ بِي -- کہ تو شرک کرے میرے ساتھ -- مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ -- جس کے لئے تیرے پاس کوئی علم نہیں -- فَلَا تُطِعْهُمَا -- تو اُن کا کہنا نہ مان -- إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ -- میری طرف ہی تم سب کو لوٹنا ہے -- فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸﴾ تو میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم کرتے رہے۔

- اس آیت میں ایک ایسے معاملہ کے بارے میں رہنمائی دی گئی جو نوجوانوں کو درپیش تھا۔ یہ وہ نوجوان تھے جو مکہ میں اسلام کی دعوت قبول کرنے والوں میں اوّلین تھے۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اسلام کی دعوت اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک انقلابی دعوت ہے۔ یہ دعوت عام مذہبی معنی میں صرف تبلیغ کا عمل نہیں بلکہ اس کا مقصد ظلم، جبر اور استحصال کے خلاف انقلاب برپا کر کے اللہ کے عطا کردہ عادلانہ نظام کا نفاذ ہے۔ ہر دور میں کسی بھی انقلابی دعوت کی طرف پیش قدمی کرنے والوں میں معاشرہ کے دو طبقات آگے بڑھتے ہیں۔ ایک معاشرہ کا مظلوم اور پسا ہوا طبقہ اور دوسرے نوجوان۔ اس وجہ سے مخالفین کی طرف سے ظلم و تشدد کا اوّلین نشانہ بھی یہی دو طبقات بنتے ہیں۔ نوجوانوں کو اُن کے والدین سختی اور ناصحانہ دونوں طرح سے اسلام سے دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اِن حالات میں نوجوانوں کے لئے رہنمائی اس آیت میں بیان کی گئی۔

- اصولی طور پر انقلابی دعوت کا اوّلین ہدف معاشرے کے وہ اعلیٰ طبقات ہوتے ہیں جن کے اختیار میں نظام کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اِن اعلیٰ

طبقات کے مفادات (Vested Interests) پہلے سے موجود نظام کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، مصلحتوں کی بھاری بیڑیاں اُن کے پاؤں میں پڑی ہوتی ہیں۔ اُن کے لئے کسی انقلابی دعوت کو قبول کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ تاہم اُن میں کچھ ایسے سلیم الفطرت لوگ بھی ہوتے ہیں جو اِس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ انقلاب کے بعد متبادل نظام کو چلانے کے لئے بڑے کارآمد ہوتے ہیں، جیسے کہ مثال ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی۔ عام طور پر جو لوگ اِس دعوت کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اُن میں ایک تو وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو اُس معاشرے میں دبے اور پسے ہوئے ہوتے ہیں۔ جن کے کوئی مفادات اِس نظام کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتے کہ جو اُن کے پاؤں کی بیڑیاں بن سکیں۔ دوسرا طبقہ جو کسی بھی انقلابی دعوت کی طرف پیش قدمی کرتا ہے وہ نوجوانوں کا ہوتا ہے۔ اُن کی عمر ولولوں اور جوش وجذبہ کی ہوتی ہے۔ ابھی کوئی مصلحت اُن کے سامنے نہیں ہوتی۔ اُن کے جسم وجان میں کردار کی حرارت موجود ہوتی ہے۔ ابھی اُن کا ضمیر مفادات کے مقابلہ میں اتنا شکست خوردہ نہیں ہوتا کہ کسی بات کو حق سمجھنے کے باوجود اسے رد کر دے۔ چنانچہ یہ نوجوان انقلابی دعوت کا ہراول دستہ بنتے ہیں۔

- نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے میں قریش کے جن نوجوانوں نے پیش قدمی کی اُن میں حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت مصعبؓ بن عمیر وغیرہ شامل تھے۔ اِن میں سے اکثر نوجوانوں کو جسمانی ایذاء اور تشدد کے ساتھ ساتھ جو مسئلہ درپیش ہوا وہ یہ تھا کہ اِن کے والدین اپنے حقوق کا واسطہ دے کر اِن پر دباؤ ڈالتے تھے کہ اس نئے دین کو چھوڑو اور آبائی دین پر واپس آ جاؤ۔ مثلاً حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے والد فوت ہو چکے تھے اور اُنہیں اُن کی والدہ نے بڑی محبت اور محنت سے پالا تھا۔ جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی طرف سے دعوتِ توحید قبول کی

تو مشرک والدہ ناراض ہوگئی اور بیٹے پر دباؤ ڈالنے کے لئے اعلان کردیا کہ اگر سعدؓ اپنے آبائی دین میں واپس نہ آیا تو نہ کچھ کھاؤں گی اور نہ پیوں گی۔ گویا آج کی اصطلاح میں اُس نے بھوک ہڑتال کردی۔ اسلام قبول کرنے والے تمام نوجوان انتہائی سلیم الطبع اور سلیم الفطرت تھے اور اپنے والدین کا ادب و احترام ملحوظ رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے لئے پریشان کن صورتِ حال تھی کہ وہ والدین کی اطاعت کریں یا دینِ اسلام سے وابستہ رہیں۔ اس پس منظر میں رہنمائی دینے کے لئے سورۂ عنکبوت کی یہ آیت نمبر 8 نازل ہوئی۔

- اس آیت میں فرمایا گیا کہ ہم ہی نے انسان کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے، اُن کا ادب و احترام کرے اور اُن کی اطاعت و فرمانبرداری کرے۔ لیکن ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے۔ والدین کے حقوق مُسلّم ہیں لیکن ان پر فائق حق اللہ کا ہے۔ لہٰذا اگر وہ تمہیں مجبور کریں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤ تو اُن کا کہنا مت مانو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (ابوداؤد)

''مخلوقات میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں اگر اس سے خالق کی نافرمانی ہو۔''

- وَ اِنْ جَاهَدٰكَ کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ مشرکین بھی جہاد کرتے ہیں۔ گویا جہاد منفی و مثبت دونوں کاموں کے لئے ہوتا ہے۔ اعلیٰ ترین جہاد ہے اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرنا جسے ''جہاد فی سبیل اللہ'' کہا جاتا ہے۔
- مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کے الفاظ اس حقیقت پر دلیل ہیں کہ شرک کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی یعنی کسی الہامی کتاب سے بھی شرک کو جائز ثابت نہیں کیا جا سکتا۔
- اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف حقوق کے درمیان تصادم کی صورت میں صحیح روش اختیار کرنے کے لئے جذبۂ محرکہ ہے

آخرت میں جواب دہی کا احساس۔ آخرت میں اولاد اور والدین دونوں اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے اور پھر حق و باطل کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

☆ آیت : 9 :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا -- وہ لوگ جو ایمان لائے -- وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ -- اور جنہوں نے نیک عمل کیے -- لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿﴾ ہم انہیں ضرور نیکوکاروں میں شامل کر دیں گے۔

- آیت نمبر 7 کے بعد یہاں ایک بار پھر ایمان اور عملِ صالح کا ذکر کر کے اہلِ ایمان کو بڑے تاکیدی اسلوب میں ایک بشارت سنائی جا رہی ہے۔ یہاں خطاب کا رُخ اُن نوجوانوں کی طرف ہے جو اسلام لانے کی وجہ سے اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں سے کٹ رہے تھے۔ یہاں اُن کے زخمی دلوں پر مرہم رکھا جا رہا ہے کہ تم صرف کٹے ہی نہیں ہو، کسی سے جڑے بھی ہو۔ تمہیں اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ اب تمہارا تعلق قائم ہو گیا ہے محمد رسول اللہ ﷺ اور اُن کے صحابہؓ کے ساتھ۔ تم مشرکین سے کٹے ہو اور صالحین کے ساتھ ایمانی رشتے میں منسلک ہو گئے ہو۔ چنانچہ وہ صدمہ جو ایک سلیم الطبع انسان محسوس کرتا ہے کہ میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے کٹ گیا ہوں، اُس کا ازالہ اس آیت سے ہو جاتا ہے۔
- دین کی خاطر اپنے رشتہ داروں سے کٹنے والوں کو صرف دنیا ہی میں صالحین کی رفاقت نہیں ملے گی بلکہ آخرت میں بھی یہ مبارک ساتھ میسر ہو گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿﴾

''اور جو کوئی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرے تو ایسے ہی لوگ (آخرت میں) اُن

(مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔" (النساء : 69)

گویا نوجوانوں کے لئے تسلی ہے کہ اگر اپنے آباء و اجداد سے وہ کٹ گئے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے اُن کا تعلق منقطع ہو گیا ہے تو وہ غمگین نہ ہوں۔ انہیں ایسے لوگوں کی رفاقت نصیب ہوگی جنہیں سورۃ الفاتحہ میں "مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ" یعنی انعام یافتہ لوگ قرار دیا گیا ہے۔ وہ روزِ قیامت انبیاء کرامؑ، صدیقین، شہداء اور نیکوکاروں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اور اُن کے ساتھ جنت الفردوس میں داخل ہوں گے۔

اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں بھی ایسے لوگوں میں شامل فرمائے!

وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْاَبْرَارِ – يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ!!

☆ آیت : 10 :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ -- لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں -- اٰمَنَّا بِاللّٰهِ -- ہم ایمان لے آئے اللہ پر -- فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ -- پھر جب اُن میں سے کسی کو ایذا پہنچائی جاتی ہے اللہ کی راہ میں -- جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ -- تو وہ لوگوں کی (طرف سے ڈالی ہوئی) آزمائش کو اللہ کا عذاب سمجھ بیٹھتا ہے -- وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ -- اور اگر تمہارے ربّ کی طرف سے کوئی مدد آجائے -- لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ -- تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم یقیناً تمہارے ساتھ تھے -- اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ تو کیا اللہ زیادہ باخبر نہیں ہے اس سے کہ جو کچھ جہان والوں کے سینوں میں پوشیدہ ہے؟

- اس آیت میں وہ مضمون بیان ہوا ہے جو اس سے قبل تفصیل کے ساتھ حقیقتِ نفاق کے ضمن میں آچکا ہے۔ سورۂ عنکبوت مکی دور کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی۔ اس

دور میں اِس کا کوئی امکان نہیں تھا کوئی شخص مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی نیت سے اسلام قبول کر لے جبکہ اندرونی طور پر وہ پکا کافر ہو۔ ہمارے ذہنوں میں منافق کا تصور یہی ہے۔ مکی دور میں تو کلمہ شہادت کا زبان پر لانا معاشرہ کو چیلنج کرنے اور اُس کے خلاف اعلانِ بغاوت کرنے کے مترادف تھا۔ یہ گویا ایسے ہی تھا کہ کوئی انسان خود ہر طرح کی مصیبت کو دعوت دے اور آگے بڑھ کر للکارے۔ لہٰذا اِس طرح کے نفاق کا دُور دُور تک کوئی امکان نہیں تھا۔ یہاں دراصل اُس نفاق کا ذکر ہے جو کم ہمتی، بزدلی اور قوتِ ارادی کی کمزوری سے عبارت ہے۔ ایک شخص نیک نیتی سے ایمان لایا لیکن ایمان کے کٹھن تقاضے جب سامنے آنے لگے، مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تو اِن سے طبیعت گھبرانے لگی۔ اب اگر اُن مشکلات کی وجہ سے کوئی انسان اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں پس وپیش کرنے لگے، دین کے راستے میں اُس کے قدم رکنے لگیں اور گومگو کی سی کیفیت اُس پر طاری ہو جائے تو یہی درحقیقت مرضِ نفاق کا نقطہ آغاز ہے!

- اِس رکوع میں فتنے کی دو نسبتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ -- ہم نے فتنے میں ڈالا اُن کو جو اِن سے پہلے تھے۔ دوسری نسبت لوگوں کی طرف اِس آیت میں بیان کی گئی۔ یہ دونوں نسبتیں بیک وقت درست ہیں۔ اگرچہ حضرت بلالؓ پر اُمیہ بن خلف اور آلِ یاسرؓ پر ابوجہل ظلم وستم کر رہا تھا لیکن یہ بغیر اذنِ رب ممکن نہیں۔ فاعلِ حقیقی اور مؤثرِ حقیقی تو اللہ ہے جس کے اذن کے بغیر پتا تک جنبش نہیں کر سکتا۔ جو قیامت مظلوموں پر ڈھائی جارہی ہے، اُس کا ذمہ دار اُس ظالمانہ عمل کا کمانے والا ہے لیکن فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور آزمائش اُسی کی جانب سے ہے۔ اِس اعتبار سے فتنے کی یہ دونوں نسبتیں بیک وقت درست ہیں۔

- اس آیت میں اُن کم ہمت لوگوں کا ذکر ہے کہ جو لوگوں کی طرف سے پہنچائی گئی آزمائش اور تکلیف سے ایسے گھبرا اٹھتے ہیں جیسے کہ اللہ کے عذاب سے گھبرانا چاہیئے۔ اُن لوگوں کی روش کا ایک دوسرا رُخ یہ بیان کیا گیا کہ اگر کہیں کوئی فتح نصیب ہو جائے، اللہ کی مدد آجائے، کوئی مالِ غنیمت ہاتھ لگ جائے تو وہ پیش پیش ہوں گے اور کہیں گے کہ آخر ہم بھی تمہارے ساتھ تھے اور فتح کے ثمرات ہمیں بھی ملنے چاہئیں۔ یہ ایک کردار ہے جو کسی معیّن دور سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہر انقلابی تحریک کے ساتھ وابستہ ہونے والوں میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔
- ہر انقلابی جدوجہد میں تین کردار بالکل نمایاں طور پر ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اس دعوت کو ہر چہ بادا باد (جو ہو سو ہو) کی شان کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو انقلابی جدوجہد اور اُس کے مقصد (cause) کے ساتھ ذہناً اور عملاً پورے طور پر وابستہ ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو پہلے سے موجود نظام کو بچانے کے لئے میدان میں آتے ہیں، وہ اپنے آپ کو پورے طور پر اُس نظام کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور اُس کے حمایتی بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ایک دوسرے کے مدمقابل آتے ہیں اور اس طرح ایک کشاکش کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ایک تیسرا عنصر درمیان میں رہتا ہے۔ وہ فیصلہ کن انداز میں بازی کھیلنے کا قائل ہی نہیں۔ اُسے ہر حال میں اپنے مفادات عزیز ہیں۔ قرآنِ حکیم میں ان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا لَا اِلٰی هٰٓـؤُلَاۗءِ وَلَا اِلٰی هٰٓـؤُلَاۗءِ (النساء: 143)۔ نہ وہ اِدھر اپنے آپ کو وابستہ اور identify کرنے پر آمادہ ہیں، نہ اُدھر یکسو ہو کر اُن کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں بلکہ وہ اُن کے بین بین رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اُن کی حکمتِ عملی یہ ہوتی ہے کہ دونوں پارٹیوں کے ساتھ روابط

رکھے جائیں تا کہ جس کسی کو بھی فتح نصیب ہو وہ اُس کے پاس جا کر اپنی وفاداری کا حوالہ دے کر اپنے لئے تحفظات اور مراعات حاصل کر سکیں۔ یہ ہے وہ منافقانہ کردار جس سے مکی دور میں اہلِ ایمان کو پیشگی متنبہ کیا جا رہا ہے۔

- آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے جو نیتیں اور ارادے جہان والوں کے سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ یہ لوگ اپنی غلط بیانی سے کسے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ آیت 9 میں ایسے لوگوں کے فریب کا پردہ چاک کر دیا گیا :

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

”وہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور اہلِ ایمان کو اور وہ دھوکہ نہیں دے رہے مگر اپنے آپ کو اور اُنہیں اس کا شعور نہیں۔“

☆ آیت : 11 :

وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا -- اور اللہ ظاہر کر کے رہے گا مومنوں کو --وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ﴿۱۱﴾ اور وہ ظاہر کر کے رہے گا منافقوں کو۔

آیت 3 میں فرمایا گیا کہ اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچوں کو اور وہ ظاہر کر کے رہے گا جھوٹوں کو۔ اُس آیت میں سچے اور جھوٹے سے حقیقتاً جو مراد تھی، اِس آیت میں اُس پر سے پردہ اٹھا دیا گیا اور بات بالکل کھول دی گئی۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ ظاہر کر دے گا کہ کون ہیں وہ جو واقعتاً مؤمن ہیں اور اِس عزمِ مصمم کے ساتھ آئے ہیں کہ ہر چہ بادا باد اور کون ہیں وہ جنہوں نے اِس وادی میں قدم رکھا تو ہے لیکن تحفظات کے ساتھ۔ جنہیں اِس راہ کے مصائب ومشکلات کے مقابلے میں جان ومال کا تحفظ زیادہ عزیز ہے۔ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اگرچہ یہ مکی سورت ہے اور مکی دور کے بھی وسط سے اِس کا تعلق ہے جبکہ ابھی اِس نفاق کا دُور دُور تک امکان نہیں تھا جو بعد میں مدنی دور میں پورے طور سے ظاہر ہوا، لیکن یہاں صاف الفاظ میں 'نفاق' اور 'منافقت' کا ذکر موجود ہے۔ گویا پیشگی متنبہ کر دیا گیا کہ

اس راہ میں اگر کم ہمتی کا مظاہرہ کیا جائے تو یہ طرزِ عمل انسان کو منافقت کی آخری سرحدوں تک لے جا سکتا ہے۔

☆ آیت : 12 :

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا -- اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا -- لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اُن لوگوں سے کہ جو ایمان لائے -- اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا -- پیروی کرو ہمارے راستے کی -- وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ -- اور ہم اٹھالیں گے تمہاری خطاؤں کا بوجھ -- وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ -- اور نہیں ہیں وہ اٹھانے والے اُن کی خطاؤں میں سے کچھ بھی -- اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ بلاشبہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

- اس آیت میں کافروں کے بڑے بوڑھوں کی طرف سے نوجوانوں کو گمراہ کرنے کا ایک پُرفریب انداز بیان کیا گیا ہے۔ یہ بڑے بوڑھے جو خود شرک پر قائم تھے، وہ بڑے ناصحانہ انداز میں بظاہر بہت خیر خواہ بن کر ایمان لانے والے نوجوانوں سے کہتے تھے کہ بالکل بے فکر ہو کر اپنے آباء واجداد کے راستے پر چلتے رہو۔ ہمارے آباء واجداد حق پر تھے۔ ہم اُن کا راستہ کیوں ترک کریں۔ پھر اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے کہتے کہ اگر واقعی تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے آباء واجداد کا یہ راستہ غلط ہے اور ہماری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی تو بھی مطمئن رہو، ہم خدا کے ہاں تمہاری طرف سے جواب دہی کریں گے اور اگر فی الواقع ہم غلطی پر ہوئے تو بھی گھبراؤ نہیں تمہاری خطاؤں کا بوجھ ہماری گردنوں پر ہوگا۔ یہ وہ معاملہ ہے جس کا تجربہ ہر اُس نوجوان کو ہوگا جو کسی بھی انقلابی تحریک سے منسلک ہو۔
- آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا گیا کہ یہ سراسر جھوٹ بول رہے ہیں۔ روزِ قیامت ہر ایک کو اپنی جواب دہی خود کرنی ہے اور کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہ ہوگا۔ یہ گمراہی آج ہمارے ہاں بھی ہے کہ روزِ محشر کوئی ہمیں عذاب سے چھڑا لے گا۔ کسی کے دامن سے

وابستہ ہوکر ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا۔ قرآنِ حکیم میں یہ حقیقت پانچ بار بیان کی گئی کہ :

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی

''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا۔''

(الانعام : **164**، بنی اسرائیل : **15**، فاطر : **18**، الزمر : **7**، النجم : **38**)

روزِ قیامت ہر شخص کو اپنی انفرادی حیثیت میں پیش ہونا ہوگا اور اپنے اعمال کی جواب دہی خود کرنی ہوگی :

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

''اور وہ سب کے سب روزِ قیامت اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔'' (مریم : **95**)

روزِ قیامت ہر شخص کا انفرادی محاسبہ ہوگا اور اُس سے پانچ سوال دریافت کیے جائیں گے جن کا ذکر درج ذیل حدیث میں ہے :

''روزِ قیامت ابنِ آدم کے قدم ہل نہ سکیں گے جب تک اُس سے پانچ باتوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے۔ زندگی کے بارے میں کہ کہاں لگا دی، جوانی کے بارے میں کہ کہاں کھپا دی، مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو علم حاصل کیا اُس پر کتنا عمل کیا''۔ (ترمذی)

روزِ قیامت یہ دلیل قبول نہیں کی جائے گی کہ ہم نے اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم کی پیروی کی تھی، اگر ہم غلطی پر تھے تو اِس کے ذمہ دار ہمارے بزرگ ہیں، ہم نہیں ہیں۔

- اِس آیت میں بڑی شدت کے ساتھ کفار کے پُرفریب جھوٹ کی نفی کی گئی اور اگلی آیت میں بھی اُن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ظاہر ہو رہا ہے۔ اِس سے محسوس ہوتا ہے کہ کفار کے اِس پُرفریب جھوٹ سے کچھ لوگ متاثر ہو رہے تھے۔ ویسے بھی جب قوم کے بڑے بوڑھے کوئی بات اپنے تجربہ کے حوالے سے کہتے ہیں تو اُن کی بات بالعموم توجہ سے سنی جاتی ہے۔ دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے نوجوانوں پر اثر انداز ہونے کے

لئے بزرگانِ قوم کی گفتگو کا انداز ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ میاں ہم نے اپنے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ ہم نے دنیا دیکھی ہے۔ تم ابھی نوعمری کے دور میں ہو اور اپنے نفع نقصان کو نہیں سمجھتے۔ ہماری بات مانو ہم تمہارے خیر خواہ ہیں۔ کسی کے اپنے عزائم ہوتے ہیں جس کے لئے وہ نوجوانوں کو استعمال کرتا ہے اور اُن کی دنیا برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ پھر کسی وقت انسان اگر کسی خاص کیفیت میں ہو اور اُن بزرگوں کے ساتھ اُس کے حسنِ ظن کا رشتہ برقرار ہو تو اِس بات کا امکان ہوتا ہے کہ وہ اُن سے کوئی اثر قبول کر لے۔ لہٰذا پوری شدت کے ساتھ کفار کے دعویٰ کی نفی کی گئی اور اُن کے فریب کا پردہ چاک کر دیا گیا کہ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ - بلاشبہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

☆ آیت : 13 :

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ -- یہ لوگ لازماً اٹھائیں گے اپنے بوجھ -- وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ -- اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کچھ اور بوجھ -- وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿﴾ اور لازماً اُن سے بازپُرس ہو گی قیامت کے دن اُس جھوٹ کے بارے میں جو وہ گھڑتے رہے۔

اِس آیت میں مشرکین کے جھوٹے دعویٰ پر اللہ کا غضب بہت نمایاں ہے۔ بڑے تاکیدی اسلوب میں فرمایا کہ وہ لوگ جو دوسروں کو گمراہ کرنے اور اُنہیں غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں، اپنے اِس طرزِ عمل سے اپنے بوجھ میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں۔ اُنہیں اپنی خطاؤں کے ساتھ اُن لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا ہو گا جو اُن کی باتوں میں آ کر گمراہی کا شکار ہو گئے۔ البتہ گمراہ ہونے والوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہ ہو گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا (النساء : 85)

''جو شخص سفارش کرے گا کسی اچھی بات کی تو اُس کو اِس (کے ثواب) میں سے حصہ

ملے گا اور جو سفارش کرے گا کسی بُری بات کی اُس کو اِس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا''

حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَيُعْمَلُ بِهَا كَانَ لَهُ أَجْرُهَا، وَمِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا

''جس نے کسی بھلائی کو جاری کیا پھر اُس پر عمل کیا تو اُس کے لئے اجر ہے اور اُس کا اجر بھی ہے جس نے اِس بھلائی پر عمل کیا بغیر عمل کرنے والے کے اجر میں کمی کیے ہوئے اور جس نے کسی برائی کو جاری کیا پھر اُس پر عمل کیا تو اُس کے لئے وبال ہے اور اُس کا وبال بھی ہے جس نے اِس برائی پر عمل کیا بغیر عمل کرنے والے کے وبال میں کمی کیے ہوئے۔'' (ابنِ ماجہ)

آخر میں فرمایا کہ مشرکین جس جھوٹ کے ذریعہ ایمان لانے والوں کو گمراہ کر رہے ہیں، انہیں اس کے بارے میں جواب دہی کرنی پڑے گی۔

منتخب نصاب حصّہ پنجم

درسِ دوم : سورۂ عنکبوت رکوع 5 تا 7

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰھُنَا وَاِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

☆ تمہیدی نکات :

۱ - منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ دوم سورۂ عنکبوت کے رکوع 5 تا 7 میں سے اہلِ ایمان کے لئے صبر کے مراحل سے متعلق اہم ہدایات پر مشتمل ہے۔

۲ - سورۂ عنکبوت کا زمانۂ نزول سن ۵ نبوی ﷺ ہے۔ اس زمانے میں سردارانِ قریش کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا بازار بھرپور طریقہ سے گرم تھا۔ مکی دور کے ابتدائی تین برسوں میں دشمنانِ اسلام کی مخالفت زبانی کلامی تھی اور انہوں نے اپنے تمسخر و استہزاء کا ہدف نبی اکرم ﷺ کی ذات کو بنائے رکھا تاکہ آپ ﷺ کا حوصلہ پست ہو جائے، آپ ﷺ کی کمرہمت ٹوٹ جائے اور آپ ﷺ اپنے مشن کو ترک کر دیں۔ آپ ﷺ صبر و استقامت کا پہاڑ تھے۔ آپ ﷺ ثابت قدمی سے اور انفرادی رابطوں کے ذریعہ لوگوں تک پیغامِ حق پہنچاتے رہے۔ اس کے نتیجہ میں نوجوانوں اور غلاموں کی ایک بڑی تعداد ایمان لے آئی۔ نبوت کے چوتھے برس آپ ﷺ نے علی الاعلان دین کی دعوت دینا شروع کی تو کفار نے محسوس کیا کہ یہ

دعوت تو ایک بہت بڑے چیلنج کی شکل اختیار کرگئی ہے، ''نظامِ کہنہ کے پاسبانو، یہ معرضِ انقلاب میں ہے''۔تب اُن کے کان کھڑے ہوئے اور سوچنے لگے کہ جسے ہم مشتِ غبار سمجھے تھے وہ تو ایک ایسی تیز آندھی بن رہی ہے جو ہمارے اس نظام اور مفادات (vested interests) کوخس و خاشاک کی طرح اڑا کر منتشر کردے گی۔یہیں سے وہ دورشروع ہوا جسے سیرت کی کتابوں میں ''تَعْذِیْبُ الْمُسْلِمِیْنَ'' یعنی مسلمانوں کی ایذا رسانی اور بہیمانہ تشدد (persecution) کا دور کہا جاتا ہے۔ کفار کی طرف سے جب مسلمانوں پر شدید جسمانی تشدد کیا جانے لگا تو بعض مسلمانوں کو کچھ گھبراہٹ لاحق ہوئی۔اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ عنکبوت کی صورت میں ایک بھرپور خطاب نازل ہوا۔

۳ - سورۂ عنکبوت پوری کی پوری صبر کے مراحل کے دوران درپیش صورتِ حال کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔یہ تو ممکن نہیں کہ سات رکوعوں پر مشتمل پوری سورۂ مبارکہ کا تفصیلی مطالعہ کیا جاسکے۔درسِ اوّل میں ہم پہلے رکوع کا تفصیلی مطالعہ کرچکے ہیں۔اس درس میں ہم اُن خصوصی ہدایات کو سمجھیں گے جو صبر سے متعلق رکوع 5 تا 7 میں بیان ہوئی ہیں۔البتہ درمیانی حصہ یعنی رکوع 2 تا 4 میں وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کی تفسیر میں اہلِ ایمان کو آگاہ کیا گیا کہ تم سے پہلے کئی رسولوں اور اُن پر ایمان لانے والوں کو بھی سخت آزمائشوں کے مراحل سے گزرنا پڑا اور اُنہوں نے صبر وثبات کی مثالیں قائم کرکے ہمیشہ ہمیش کی راحت کا سامان کرلیا۔سورۂ مبارکہ کے اس حصہ میں حسبِ ذیل رسولوں کی استقامت کی مثالیں بیان کی گئی ہیں:

i- سب سے پہلے حضرت نوحؑ کا ذکر آیا اور یہ بات خاص طور پر نمایاں کی گئی کہ اُنہوں نے ساڑھے نوسو برس تک اپنی قوم کی طرف سے مسلسل اعراض، انکار،

استہزاء اور ایذا رسانیوں کو برداشت کر کے ثابت قدمی کی امتیازی مثال قائم کی۔

ii - پھر حضرت ابراہیمؑ کی داستان بیان ہوئی جو تمام انسانوں کے لئے صبر و ثبات کا ایک بے نظیر اُسوہ ہیں۔ اُنہوں نے دلسوزی سے قوم کے سامنے دعوتِ توحید رکھی لیکن قوم نے جواب دیا اُقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ اُنہیں قتل کر دو یا جلا دو۔ پھر اُنہیں آگ کے الاؤ میں جھونک دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر محفوظ رکھا۔ پھر اُنہوں نے وطن کو خیر باد کہا اور پوری زندگی ایک مسافرت کے عالم میں بسر کی۔ کبھی شام کے بالائی علاقے میں ہیں اور کبھی فلسطین میں۔ کبھی مصر میں ہیں تو کبھی حجاز میں۔ غریب الوطنی کی مشقتیں جھیلیں لیکن فلسطین و حجاز میں رہتی دنیا تک کے لئے مراکزِ توحید قائم فرما گئے۔

حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں خاص طور پر اِس حقیقت کو نمایاں کیا گیا کہ حق کو پہچان لینے کے باوجود قبول نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے دنیوی زندگی میں "مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ" یعنی دوستی، رشتہ داری اور کاروباری تعلقات کی بناء پر باہمی محبت۔ یہ محبت پاؤں کی بیڑی بن جاتی ہے۔ انسان حق کو حق نہیں کہہ سکتا محض اِس وجہ سے کہ رشتہ دار ناراض ہو جائیں گے اور رشتے کٹ جائیں گے۔ لیکن روزِ قیامت یہی لوگ ایک دوسرے سے جھگڑیں گے اور آپس میں لعن طعن کریں گے کہ تم نے مروادیا۔

iii - اِس کے بعد ذکر ہے حضرت لوطؑ کا۔ اُن کی دعوت پر سوائے اُن کی بیٹیوں کے کوئی ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔ قوم ہم جنس پرستی کے مکروہ فعل کو بھری مجالس میں انجام دے رہی تھی اور حضرت لوطؑ کے منع کرنے پر اُن کے خلاف اقدام پر تُل گئی۔ حضرت لوطؑ کو فریاد کرنی پڑی رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ اے میرے رب اِس بگڑی ہوئی قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔

۱۷ - مذکورہ بالا تین رسولوں کا قدرے تفصیلی ذکر کرنے کے بعد حضرت شعیبؑ اور
حضرت موسیٰؑ کی اپنی قوموں کے ساتھ کشمکش کا اجمالی ذکر ہے۔

ان تمام داستانوں میں کہانی اور کردار ایک جیسے ہیں صرف نام بدل گئے ہیں۔ ایک طرف اہلِ باطل کی ہٹ دھرمی اور ظلم و جبر ہے اور دوسری طرف انبیاء اور اہلِ حق کا صبر و استقامت۔ یہ داستانیں اہلِ ایمان کو خبردار کر رہی ہیں کہ راہِ حق پر چلنا آسان نہیں۔ مصائب، تکالیف اور مشکلات اس راہ کے سنگ ہائے میل ہیں۔ جس نے بھی اس راہ میں قدم رکھنا ہو وہ تکالیف کو برداشت کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار رہے۔

اہلِ ایمان کے لئے خصوصی ہدایات
رکوع 5 تا 7 کی روشنی میں

سورہ عنکبوت کے ان آخری تین رکوعوں کی چند آیات میں مسلمانوں کی رہنمائی کی جا رہی ہے کہ جب مخالفین ظلم اور تشدد پر اتر آئیں تو اس قسم کے حالات میں اہلِ ایمان کو کیا کرنا چاہئے۔ اب ہم ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

☆ آیت : **45** :

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ -- (اے نبیؐ) تلاوت کیجئے اُس کی جو وحی کیا گیا ہے آپؐ کی طرف کتاب میں سے -- وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ -- اور نماز قائم کیجئے -- اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ -- یقیناً نماز برائی سے اور بے حیائی سے روکتی ہے -- وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ -- اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے --
وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴿۴۵﴾ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر رہے ہو۔

- اس آیت میں وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ کے الفاظ کے ذریعہ اہلِ ایمان کو اوّلین اور اہم ترین ہدایت یہ دی گئی کہ اس کٹھن راستے میں ہمدم، غم خوار، پشت پناہ، ہمت بندھانے اور ثابت قدم رکھنے والی سب سے بڑی اور موثر نعمت اللہ کا ذکر ہے۔ ذکر

کے معنی ہیں اِسْتِحْضَارُ اللّٰہِ فِی الْقَلْبِ یعنی دل میں اللہ کی یاد بسائے رکھنا۔

- اللہ کے ذکر کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے قرآنِ حکیم جو کہ "الذکر" بھی ہے اور "ذکریٰ" بھی!:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿﴾ (الحجر: 9)

"بے شک یہ "ذکر" ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿﴾

اور اس (قرآن) میں (اے نبیؐ) آپؐ کے پاس آگیا ہے حق اور (یہ) مومنوں کے لئے نصیحت اور یاددہانی ہے۔ (ھود: 120)

مشکل حالات میں بہت بڑا سہارا تلاوتِ قرآن ہے۔ اس کتاب میں سبق آموز داستانیں اور مثالیں بھی ہیں، صبر و استقامت پر اعلیٰ اجر و ثواب کی نوید بھی ہے اور بے صبری کے بھیانک انجام سے خبردار بھی کیا گیا ہے۔ البتہ تلاوت کے معنی ہیں سمجھ کر، ہدایت اور عمل کی نیت سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ اس طرح پڑھنے سے محسوس ہوگا کہ قرآن ہمارے دکھوں کا علاج، غموں کا مداوا اور زخموں پر مرہم ہے۔

- اللہ کے ذکر کا جامع ترین ذریعہ ہے نماز۔ اس میں ذکرِ قولی بھی ہے اور ذکرِ عملی بھی۔ اس میں زبان سے اللہ کو یاد کرنا بھی شامل ہے اور اُس کے سامنے اظہارِ بندگی کے طور پر جھک جانا بھی۔ نماز میں تکبیر، تسبیح، تحمید، تلاوتِ قرآن اور دعائیں سب ہی شامل ہیں۔ نماز کے بارے میں خاص طور پر فرمایا کہ یہ انسان کو برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے یعنی یہ انسان کے تزکیہ کا ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں ہم اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے الفاظ کے ذریعہ اللہ سے اپنے عہدِ بندگی کو تازہ کرتے ہیں:

سرکشی نے کردیے دھندلے نقوشِ بندگی
آؤ سجدے میں گریں لوحِ جبیں تازہ کریں

جولوگ نماز کو سمجھ کر اور پورے شعور کے ساتھ ادا کرتے ہیں، وہ اپنے عہدِ بندگی کا پاس کرتے ہیں اور برائیوں اور بے حیائی کے کاموں سے باز آ جاتے ہیں۔نماز کے دوران اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر بار بار گناہوں پر ندامت ہوتی ہے اور بالآخر انسان توبہ کر لیتا ہے۔اقبال نے کیا خوب کہا :

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

نبی اکرم ﷺ کو ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ رات کو نماز پڑھتا ہے اور صبح چوری کرتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب اُس کی نماز اُسے اِس کام سے روک دے گی (مسندِ احمد)۔البتہ اگر کسی کی نماز اُسے برائی اور بے حیائی سے نہیں روک رہی تو اُس کے لئے حدیثِ نبوی ﷺ میں وعید ہے کہ :

مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلَاتُهُ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ وَفِیْ لَفْظٍ لَّمْ يَزْدَدْ بِهَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا (بیہقی)

''اُس شخص کی نماز ہی نہیں جسے اُس کی نماز بے حیائی اور برائی سے نہیں روکتی اور دوسرے الفاظ میں اِس طرح کی نماز سے اللہ سے دوری میں اور اضافہ ہوتا ہے۔''

جس کی نماز اُسے برائی اور بے حیائی سے نہیں روکتی اُس کی نماز، نماز نہیں محض ایک رسم ہے :

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشاں سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

☆ آیت : **46** :

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ -- اور اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ

کرو مگر ایسے طریقے سے کہ جو بہت اچھا ہو -- اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ -- سوائے اُن کے جو بے انصافی کریں -- وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ -- اور کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اُس (کتاب) پر جو ہم پر اتری اور اُس (کتاب) پر جو تم پر اُتری -- وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ -- اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے -- وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿﴾ اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔

- اس آیت میں اہلِ ایمان کو اہلِ کتاب خصوصاً عیسائیوں کے ساتھ عمدگی کے ساتھ مجادلہ یعنی بحث و مباحثہ کا حکم دیا گیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اگلی آیات میں مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی جا رہی ہے۔ مسلمانوں نے ہجرت کر کے حبشہ کی طرف جانا تھا، جہاں عیسائی آباد تھے۔ اسی لئے یہاں عیسائیوں کے ساتھ مجادلۂ احسن کا حکم دیا گیا۔ مجادلۂ احسن یہ ہے کہ گفتگو میں جارحانہ انداز اختیار نہ کیا جائے، اعتراضات کا جواب شائستگی اور وقار سے دیا جائے، کوئی گھٹیا بات مخالفت میں نہ کی جائے، مخاطب پر بے جا جوابی اعتراضات نہ کیے جائیں اور مخاطب کے معبودوں اور بزرگوں کی توہین نہ کی جائے۔
- اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ اُن میں سے جو لوگ ظلم یعنی ہٹ دھرمی پر اتر آئیں اُن سے مجادلہ کیا ہی نہ جائے جیسے سورہ قصص آیت **55** میں اللہ کے محبوب بندوں کی ہٹ دھرمی کرنے والوں سے گفتگو بیان کی گئی:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿﴾

"اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم کو سلام، ہم جاہلوں سے نہیں الجھتے۔"

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اُن سے اسی انداز سے گفتگو کی جاسکتی ہے جیسا انداز وہ اختیار کر رہے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿ (النحل: 126)

''اور اگر تم اُن سے بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنا اُنہوں نے تمہیں ستایا ہے اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھا ہے۔''

- آیت کے دوسرے حصہ میں تبلیغ کی ایک حکمت کا بیان ہے۔ گفتگو کی اساس ہمیشہ ایسی بات کو بنایا جائے جو اپنے اور مخاطب کے درمیان قدرِ مشترک ہو۔ مخاطب کی کوئی خوبی ہو تو اُسے تسلیم کیا جائے۔ کسی کی دشمنی انسان کو اندھا نہ کردے۔

☆ آیت : 56 :

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا -- اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! -- اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ -- میری زمین بہت کشادہ ہے -- فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿ پس تم صرف میری ہی بندگی کرو۔

- اس آیہ مبارکہ میں مسلمانوں کو ہدایت دے دی گئی کہ اگر کسی ایک مقام پر تمہارے لئے توحید پر کاربند رہنا ناممکن بنادیا گیا ہو تو تم اُس زمین کے ساتھ بندھے نہ رہو اور وہ خطۂ ارضی تمہارے قدموں کو روک نہ لے بلکہ تم ہجرت کر جاؤ۔ تمہیں بہر صورت بندگی اللہ ہی کی کرنی ہے۔ اہمیت اللہ کی بندگی کی ہے نہ کہ کسی سرزمین کی۔ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ سورہ نساء آیت 100 میں فرمایا گیا:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً

''اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سی جگہ اور وسعت پائے گا۔''

جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے

- اسی ہدایت اور رہنمائی کے تحت نبی اکرم ﷺ نے اہلِ ایمان کو اجازت دی کہ اگر مکہ کی سرزمین اُن پر تنگ ہوگئی ہے تو وہ مکہ سے حبشہ چلے جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے دو قافلے حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عثمان غنیؓ بھی اپنی زوجہ یعنی نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کے ساتھ ان ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔
- ہجرت ایک بہت ایثار وقربانی والا عمل ہے۔ اپنا گھربار، کھیتیاں اور باغات، جمے جمائے کاروبار اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر صرف اور صرف دین پر عمل کی خاطر دیارِ غیر منتقل ہونا آسان نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت عمرو بن العاصؓ سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟ وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟

"کیا تم جانتے نہیں ہو کہ بے شک اسلام قبول کرنا پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے؟ اور بے شک ہجرت کا عمل پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے؟ اور بے شک حج کی عبادت پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے؟" (مسلم)

اقبال نے ہجرت کی اہمیت کیا خوب بیان کی ہے:

ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی　　رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الٰہی　　دے تو بھی نبوت کی صداقت کی گواہی

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوتؐ میں وطن اور ہی کچھ ہے

☆ آیت : 57 :

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ -- ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے -- ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿﴾ پھر تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیتِ مبارکہ میں فرمایا گیا کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے، یہاں کا آرام و آسائش بھی ختم

ہونے والا ہے اور تکالیف اور مشقتیں بھی وقتی ہیں۔ پھر سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ لہٰذا اگر انسان تکالیف سے گھبرا کر ہجرت نہ کرے گا تو کب تک اس دنیا کی لذتوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ موت تو آنی ہے اور خواہی نہ خواہی تمام مال واسباب تو چھوڑنا ہی ہے۔ بہتر ہے کہ انسان اس دنیا کی عارضی مشقتیں برداشت کر کے ہمیشہ ہمیش کی راحت کا سامان کر لے۔

ایک عام انسان موت کے تصور سے کانپ جاتا ہے جبکہ بندۂ مومن موت کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ :

i- موت اپنے معین وقت اور مقام پر آ کر رہے گی۔ سورۂ نساء آیت **78** میں فرمایا گیا :

اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ

''تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ پکڑے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔''

ii- دنیا کی زندگی ایک امانت (**Liability**) ہے جس کے ایک ایک لمحہ کی جواب دہی کرنی ہے، لہٰذا طول عمر کی خواہش نہیں کرنی چاہیئے۔

iii- موت اللہ سے ملاقات کو قریب کر دیتی ہے اور اس حوالے سے ارشاد نبوی ﷺ ہے :

مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَائَهٗ

جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اُس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا پسند نہیں کرتا ہے اللہ بھی اُس سے ملنا پسند نہیں کرتا ہے۔'' (متفق علیہ)

iv- بندۂ مومن جانتا ہے کہ دنیوی زندگی محض امتحان کے لئے ہے لہٰذا موت اُسے پیغامِ راحت دیتی ہے کہ اب آزمائش وامتحان کا دور ختم ہوا، یہی وجہ ہے کہ :

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید، تبسم بر لبِ اُوست

☆ آیت : **58 - 59** :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ -- اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے

نیک عمل کیے -- لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا -- ہم لازماً ان کو ٹھکانہ دیں گے جنت کے بالا خانوں میں -- تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ -- بہتی ہیں جن کے دامن میں ندیاں -- خَالِدِينَ فِيهَا -- ہمیشہ رہنے والے ہیں اُن میں -- نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿﴾ کیا ہی عمدہ ہے بدلہ عمل کرنے والوں کا -- الَّذِينَ صَبَرُوا -- وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا -- وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿﴾ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اس آیت میں اہلِ ایمان سے انتہائی پختہ وعدہ کیا گیا کہ جو لوگ اللہ کی بندگی کی خاطر اپنے دنیوی مال و اسباب اور ٹھکانے کو چھوڑ کر ہجرت کرتے ہیں، اللہ انہیں جنت کے بالا خانوں میں ٹھکانہ عطا فرمائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا یعنی جو ثابت قدم رہے، نہ کسی تشدد اور مخالفت سے بددل ہوئے نہ کسی لالچ اور سودے بازی سے متاثر ہوئے اور اپنا سب کچھ لٹا کر غریب الوطنی اختیار کی۔ اُنہوں نے ثابت کیا کہ اُن کا بھروسہ اسباب پر نہیں، مسبب الاسباب پر ہے۔

☆ آیت : 60 :

وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ -- اور بہت سے جاندار ہیں -- لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا -- جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے -- اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ -- اللہ ہی اُن کو رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی -- وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿﴾ اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ہجرت کے عمل میں ایک بڑی رکاوٹ یہ خدشہ ہوتا ہے کہ انسان کھائے گا کہاں سے۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ ہر مخلوق کا رازق اللہ ہے۔ جو لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں وہ اُنہیں وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُنہیں گمان بھی نہیں ہوتا :

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴿﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

"اور جو کوئی اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے، اللہ اُس کے لئے (مشکلات سے نکلنے کا) راستہ

پیدا کر دیتا ہے اور اُسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اُس کے لئے کافی ہے۔'' (الطلاق : 2 - 3)

جن صحابہ کرامؓ نے اللہ کے اِس وعدے پر یقین کر کے ہجرت کی، اللہ نے اُن کو عمدہ ٹھکانہ دیا، اپنے خاص فیض سے اُن کی مدد کی اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا :

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿﴾

''اور یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک نہ لیں تو اُس نے تمہیں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تمہیں تقویت بخشی اور پاکیزہ رزق عطا کیا تاکہ تم شکر کرو۔'' (الانفال : 26)

☆ آیت : 64 :

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ -- اور یہ دنیا کی زندگی نہیں ہے -- اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ -- مگر صرف کھیل اور تماشہ -- وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ -- اور بلاشبہ آخرت کا گھر ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے -- لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ کاش یہ (لوگ) جان لیتے۔

اِس آیت میں ایک ایسی حقیقت بیان کی جارہی ہے جو پیشِ نظر رکھنے سے انسان کی سوچ کا رُخ بدل جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی کتابِ زندگی کا محض دیباچہ ہے اور اصل کتابِ زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ دنیا کی محدود زندگی کو آخرت کی لامحدود زندگی سے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی۔ دنیا کی زندگی محض ایک ڈرامہ ہے۔ ڈرامہ میں کوئی شخص بادشاہ کا کردار ادا کرتا ہے اور کوئی فقیر کا۔ ڈرامہ ختم ہونے پر نہ بادشاہ، بادشاہ رہتا ہے اور نہ فقیر، فقیر۔ اِسی طرح جب موت آتی ہے تو خواہ جنازہ کسی محل سے نکلے یا جھونپڑی سے، دونوں کا لباس، سواری، آرام گاہ اور بستر ایک جیسا ہو جاتا ہے۔ جس کے اعمال بُرے ہیں وہ ابدی خسارے سے

دو چار ہو جاتا ہے اور جس کے اعمال اچھے ہیں وہ ہمیشہ ہمیش کی نعمتیں پالیتا ہے :

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿ (کہف : 46)

''مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں ہیں جو بہتر ہیں تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور امید لگانے کے اعتبار سے۔''

☆ آیت : 69 :

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا -- اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کریں گے -- لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا -- ہم ضرور اُن کو اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے -- وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿ اور بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

- اس آیۂ مبارکہ میں ایسے بندۂ مومن کے لئے ایک نویدِ جاں فزا ہے جو عملاً صبر و مصابرت ، آزمائشوں اور تکالیف کے امتحانات سے گزر رہا ہے۔ بڑے حتمی اور قطعی اسلوب میں یقین دہانی کرائی گئی کہ جو لوگ ہمارے دین پر عمل اور اس کی سربلندی کے لئے جہاد کر رہے ہیں ہم لازماً اُن کے لئے ہدایت اور کامیابی کے راستے کھول دیں گے۔

- اس آیت میں صحابہ کرامؓ سے وعدہ کیا گیا کہ قدم بڑھاؤ اور آگے کی منزلوں کے بارے میں زیادہ فکر مند نہ ہو، اللہ تمہاری انگلی پکڑ کر تمہیں اپنے راستے پر چلائے گا۔ اللہ تمہارے لئے وہاں سے راستے کھولے گا جہاں سے کوئی راستہ کسی کو نظر نہ آتا ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر نگاہ ڈالئے۔ مکی دور میں سن ۱۰ نبوی ﷺ تک کوئی راستہ دُور دُور تک نظر نہ آ رہا تھا۔ مکہ سے مایوس ہو کر آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ وہاں وہ کچھ ہوا جو مکی دور میں دس سال میں بھی نہ ہوا۔ واپسی پر مکہ میں ایک مشرک کی امان لے کر داخل ہوئے کیونکہ آپ ﷺ کو شہید کرنے کا فیصلہ ہو چکا

تھا۔اُس وقت اُمید کی کوئی کرن دُور دُور تک نظر نہیں آتی تھی۔پھر اللہ نے گھر بیٹھے راستہ کھول دیا۔سن ۱۱ نبوی ﷺ میں مدینہ منورہ کے ۶ افراد ایمان لے آئے۔اگلے سال ۱۲ اور اس سے اگلے سال ۷۵ افراد مشرف با اسلام ہو گئے۔مدینہ منورہ دارالہجرت بن گیا۔وہاں آپ ﷺ کے قدم ہائے مبارک ابھی پہنچے بھی نہیں لیکن استقبال کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔پھر آٹھ برس بعد آپ ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ لوٹے۔یہ ہے اللہ کا وہ پختہ وعدہ جس کا عملی ظہور اس صورت میں ہوا۔ بندۂ مؤمن کا فرض یہ ہے کہ اپنے حالات کے مطابق جو کچھ وہ کر سکتا ہے کر گزرے، نتائج کو اللہ کے حوالے کر دے۔کہاں سے راستہ نکلے گا، اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔اللہ نے یہ چیز اپنے ذمہ لے لی ہے۔

- اس آیت میں ایک اہم نکتہ یہ بیان ہوا کہ ہدایت اُسی کو ملتی ہے جو اللہ کی راہ میں کوشش کرتا ہے۔مولانا مودودی صاحب نے "تفہیم القرآن" کے مقدمہ میں اس نکتہ کی خوب وضاحت کی ہے کہ:

"لیکن فہم قرآن کی ان ساری تدبیروں کے باوجود آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا جب تک کہ عملاً وہ کام نہ کرے جس کے لئے قرآن آیا ہے۔یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر اسے پڑھیں اور اس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔یہ دنیا کے عام تصورِ مذہب کے مطابق ایک نری مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہ میں اس کے سارے رموز حل کر لئے جائیں۔یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔اس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشۂ عزلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔باطل کے خلاف اس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علمبردارانِ کفر و فسق و ضلالت سے اس کو لڑا دیا۔گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور

پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کرلائی اور داعیٔ حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور حامیانِ حق سے ان کی جنگ کرائی۔ ایک فردِ واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کر کے خلافتِ الٰہیہ کے قیام تک پورے ۲۳ سال یہی کتاب اس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی اور حق و باطل کی اس طویل و جاں گسل کشمکش کے دوران ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلہ پر اسی نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاعِ کفر و دین اور معرکۂ اسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کشمکش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں۔ اسے تو پوری طرح آپ اُسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اسی طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزولِ قرآن کے وقت پیش آئے تھے۔"

- یہ نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس آیت میں لفظ "جہاد" آیا ہے حالانکہ یہ سورۃ مکی دور میں نازل ہوئی جب کہ ابھی قتال کا دُور دُور تک کہیں کوئی سوال نہیں تھا۔ یہاں جہاد سے مراد وہ مجاہدہ، کشمکش اور تصادم ہے جو نظریاتی سطح پر ہو رہا تھا۔ صبر کا صبر کے ساتھ مقابلہ ہو رہا تھا۔ مشرکین اپنے نظامِ باطل کے تحفظ کے لئے لوگوں کو دینِ حق کی قبولیت سے روک رہے تھے اور اہلِ ایمان اپنے ایمان کی حفاظت اور لوگوں تک دینِ حق کی انقلابی دعوت پہنچانے کے لئے سر توڑ کوششیں کر رہے تھے۔

منتخب نصاب حصہ پنجم

درسِ سوم : سورۂ کہف آیات 27 تا 29

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِھِمْ سُرَادِقُھَا ۭ وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُھْلِ یَشْوِی الْوُجُوْہَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

☆ تمہیدی نکات :

۱- منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ سوم سورۂ کہف کی آیات 27 تا 29 پر مشتمل ہے۔

۲- اِن آیات میں خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اِس خطاب کا رُخ سردارانِ قریش کی طرف بھی ہے۔ یہ سردارانِ قریش آپ ﷺ کی دعوت کے اوّلین مخاطب تھے۔ آپ ﷺ کی دعوت ایک انقلابی دعوت تھی اور کسی بھی انقلابی دعوت کا رُخ سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقات کی طرف ہوتا ہے۔ انقلابی دعوت پس ماندہ طبقات کو اپنا اوّلین ہدف نہیں بنایا کرتی جیسے کہ عیسائی مبلغین کا عام انداز ہوتا ہے کہ پسے ہوئے اور دبے ہوئے طبقات کی دلجوئی کر کے اور کچھ اُن کی خدمت کر کے مثلاً دودھ کے ڈبے تقسیم کر کے یا اُن کے علاج معالجہ کا بندوبست کر کے اُن کے دلوں میں اپنے لئے ایک نرم گوشہ پیدا کر لیا جائے۔ انقلابی دعوت کا مشن نظام کی

تبدیلی ہونا ہے لہٰذا اِس کے اوّلین مخاطب وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے ہاتھ میں نظام کی باگ ڈور ہوتی ہے۔عوام کی اکثریت اِن کے تابع ہوتی ہے۔اگر یہ مان جائیں تو عوام بھی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔اگر یہ ہٹ دھرمی پر اتر آئیں تو عوام کے سامنے اُن کی اخلاقی حیثیت گر جاتی ہے۔البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اِن میں سے کم ہی دعوت قبول کرتے ہیں اور دعوت کی طرف سب سے پہلے عوام ہی پیش قدمی کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے منصب رسالت پر فائز فرمانے کے بعد پہلا حکم دیا کہ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى -- ''جاؤ فرعون کے پاس وہ بہت سرکشی کر رہا ہے''(نازعات : 17)۔نبی اکرم ﷺ جب مکہ کے حالات سے مایوس ہوکر طائف تشریف لے گئے تو وہاں آپ ﷺ نے پہلے طائف کے تین چوٹی کے سرداروں سے ملاقات کی اور اِسلام کی دعوت اُن کے سامنے رکھی۔اُن کے انکار کے بعد آپ ﷺ نے عام لوگوں کو دعوت دی۔مکہ میں بھی آپ ﷺ سردارانِ قریش کو دعوت کے حوالہ سے بڑی اہمیت دیتے تھے اور اِسی پس منظر سے سورۂ کہف کی یہ آیات بحث کر رہی ہیں۔

۳ -سورۂ کہف کی اِن آیات میں سودے بازی کی اُس پیشکش کا جواب دیا جا رہا ہے جو انقلابی دعوت کے مخالفین یعنی سردارانِ قریش نبی اکرم ﷺ کے سامنے رکھ رہے تھے۔انقلابی دعوت کی پہچان ہی یہ ہے کہ نظامِ باطل کے مفاد یافتہ طبقات اِس کی مخالفت کرتے ہیں۔انقلابی جد وجہد کے دوران نبی اکرم ﷺ کو اُن کے مشن سے ہٹانے کے لئے مخالفین نے تین حربے اختیار کیے :

i- طنز وتشدد ii- لذاتِ دنیوی کی پیشکش iii-سودے بازی کی پیشکش

i- طنز وتشدد :

مکی دور کے ابتدائی تین سالوں یعنی سن ۱ تا ۳ نبوی ﷺ میں مخالفین نے طنز اور مذاق کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کو چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کی۔لیکن

جب آپ ﷺ نے کمالِ استقامت کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا تو پھر مخالفین تشدد پر اُتر آئے۔ چنانچہ سن ۴ تا ۶ نبوی ﷺ کا دور اہلِ ایمان اور خود نبی اکرم ﷺ پر انتہائی ظلم وستم کی داستان پیش کرتا ہے۔ اسی کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت ملی۔ ہجرتِ حبشہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ساری مخالفت مرتکز ہوگئی خود محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ پر عین حرم میں اس قدر تشدد کیا گیا کہ آپ ﷺ گر کر بیہوش ہوگئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ دوڑے ہوئے آئے اور پکار کر کہا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ ’’بدبختو! کیا تم ایک شخص کو صرف اس جرم کی پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے!‘‘ مخالفین نے آپ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ آپ ؓ بھی گر کر بیہوش ہوگئے۔ اسی دور کا واقعہ ہے کہ ابوجہل کے اشارے پر عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ پر عین سجدے کی حالت میں اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی ڈال دی۔ اس طرح بھی ہوا کہ صبح آپ ﷺ گھر سے نکلتے تو ابولہب اور اس کی بیوی آپ ﷺ کے دروازے کے سامنے کانٹے بچھا دیتے یا یہ کہ آپ ﷺ کسی گلی سے گزر رہے ہیں اور کوئی اوپر سے راکھ یا خاک آپ ﷺ کے سر پر ڈال دیتا۔ اس سب کے باوجود نبی اکرم ﷺ کا تبلیغِ دین کے لئے جوش اور ولولہ بڑھتا ہی چلا گیا۔

ii- لذاتِ دنیوی کی پیشکش:

سردارانِ قریش نے جب یہ محسوس کیا کہ تشدد کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو اُن کے مشن سے روکا نہیں جا سکتا تو انہوں نے اب لالچ کا پھندا پھینکا۔ بنو ہاشم کے سردار ابو طالب کے پاس آ کر سردارانِ قریش نے پیشکش کی اگر تمہارے بھتیجے محمد ﷺ کو بادشاہت چاہیئے تو ہم اُسے اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں، اُسے دولت کی خواہش ہے تو ہم اُس کے قدموں میں دولت کا انبار لگا دیتے ہیں، اگر

اُسے کسی جگہ نکاح کرنا ہو تو عرب کے جس گھرانے میں وہ چاہے ہم شادی کرادیں گے۔ ہم اُس کا ہر مطالبہ ماننے کے لئے تیار ہیں لیکن کسی طریقہ سے تم اُسے توحید کی دعوت سے روک دو۔ ابو طالب نے آپ ﷺ کو بلا کر یہ پیشکش سامنے رکھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ پہ چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اِس دعوت سے باز آنے والا نہیں ہوں۔

اِس کے بعد سرداران قریش نے ابو طالب کو دھمکی دی کہ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے، اب تم اپنے بھتیجے کی حمایت چھوڑ دو، ہم اِس سے نپٹ لیں گے۔ اگر تمہارا فیصلہ یہ ہے کہ تم حسبِ سابق خاندانی سطح پر محمد ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت برقرار رکھو گے تو پھر ٹھیک ہے، اب بنو ہاشم کا اور قریش کے بقیہ گھرانوں کا کھلا تصادم ہوگا۔ ابو طالب نے گھبرا کر نبی اکرم ﷺ کے سامنے یہ بات رکھی اور ساتھ ہی یہ کہا کہ بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کرسکوں۔ گویا ابو طالب کی ہمت بھی جواب دیتی نظر آئی۔ محسوس ہو رہا تھا کہ قریش کی طرف سے اِس متحدہ چیلنج کو قبول کرنا اُن کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ شدتِ تاثر سے آپ ﷺ کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ ایک دنیوی سہارا تھا جو اب ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے نہایت پُرعزم لہجے میں فرمایا کہ چچا جان! خدا کی قسم! یا تو میں اِس کام میں ہلاک ہو جاؤں گا اور یا اللہ اِس کام کو پورا کرے گا۔ اللہ نے اِس موقع پر ابو طالب کو بھی ہمت عطا فرمائی، اُنہوں نے کہا کہ پھر ٹھیک ہے بھتیجے! میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔

اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کی جانب سے اب نبی اکرم ﷺ اور بنو ہاشم کے خلاف ایک متفقہ اقدام ہوا جس کے نتیجہ میں یہ طے کیا گیا کہ بنو ہاشم سے ہر قسم کا تعلق منقطع کرلیا جائے۔ یہ ایک طرح کا Socio-economic بائیکاٹ تھا جس نے تین سال کی ایک قید کی شکل اختیار کرلی۔ سن ۷ تا ۱۰ نبوی ﷺ خاندانِ بنو ہاشم کو ایک گھاٹی

شعب بنی ہاشم میں محصور کر دیا گیا۔ اس گھاٹی پر سخت پہرا تھا اور کوئی چیز اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس دوران ایسا وقت بھی آیا کہ گھاٹی کی جھاڑیوں کے پتے بھی کھا کر ختم کر دیے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنو ہاشم کے بلبلاتے بچوں کو اس کے سوا اور کچھ میسر نہیں تھا کہ سوکھے چمڑے اُبال کر ان کا پانی اُن کے حلق میں ٹپکا دیا جائے۔ بہر حال نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ خاندانِ بنو ہاشم نے اس سختی کو جھیلا اور برداشت کیا، مقابلہ میں ہاتھ نہیں اٹھائے لیکن اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے۔

کچھ صلح پسند اور نیک لوگوں کی مداخلت سے سن ۱۰ نبوی ﷺ میں یہ قید ختم ہوئی۔ اخلاقی طور پر کفار کو اس معاملے میں شکست ہوئی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے موقف میں کوئی نرمی اور کوئی لچک پیدا نہیں کی۔ اسی سال آپ ﷺ دو دنیوی سہاروں سے محروم ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ جیسی وفا شعار زوجہ اور ابو طالب جیسے شفیق سر پرست کا انتقال ہو گیا۔ گھر میں دلجوئی کرنے والی رفیقہ حیات تھی، وہ بھی نہ رہی اور خاندانی اعتبار سے سہارا دینے والا ایک پشت پناہ تھا، وہ بھی رخصت ہوا۔ آپ ﷺ نے اس سال کو "عام الحزن" قرار دیا۔ بنو ہاشم کا سردار، آپ ﷺ کا بدترین دشمن ابولہب بن گیا۔ سردارانِ قریش کے حوصلے یکدم بلند ہو گئے۔ مشورے ہونے لگے کہ اب وقت ہے کہ آخری فیصلہ کر ڈالا جائے، آخری اقدام اب کر دیا جائے۔ ان مایوس کن حالات کی وجہ سے آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا۔ طائف میں آپ ﷺ کے ساتھ وہ ظلم و زیادتی ہوئی جو مکہ میں دس سال کے دوران بھی نہ ہوئی تھی۔ مکہ واپس آئے تو آپ ﷺ کو شہید کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ کو ایک مشرک سردار مطعم بن عدی کی سر پرستی لے کر مکہ میں داخل ہونا پڑا۔

iii- سودے بازی کی پیشکش:

تشدد اور لالچ کے حربوں کی ناکامی کے بعد اب قریش نے آپ ﷺ کو مصالحت کی

پیشکش کی۔سردارانِ قریش نے کہا کہ اے محمد ﷺ تم ہمارے کچھ مطالبات مان لو تو ہم تمہاری مخالفت ترک کر دیں گے اور تمہاری کچھ باتیں مان لیں گے۔تین مطالبات سردارانِ قریش نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے :

۱-نبی اکرم ﷺ ایمان لانے والے غرباء اور غلاموں کو اپنے پاس سے دور کر دیں۔

۲ - قرآنِ حکیم میں قریش کی خواہشات کے مطابق ترامیم کر لیں۔

۳ -ایک سال تک آپ ﷺ قریش کے معبودوں کی عبادت کریں تو پھر ایک سال قریش صرف اور صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔

سورہٗ کہف کی زیرِ درس آیات میں اِسی سودے بازی کی پیشکش کا جواب دیا گیا ہے۔

آیات پر غور وفکر

☆ آیت : 27 :

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ -- اور (اے نبیؐ) تلاوت کرتے رہیے (اُس کلام کی) جو کہ وحی کیا گیا ہے آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی کتاب میں سے -- لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ --اُس کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں -- وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿﴾ اور آپ اُس کے سوا اپنے لئے کوئی اور پناہ گاہ نہ پائیں گے۔

- وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتٰبِ رَبِّكَ کے الفاظ میں آپ ﷺ کو رہنمائی عطا کی گئی کہ مشکل، مایوس کن اور صبر آزما حالات میں آپ ﷺ کو راحت اور ثابت قدمی کی دولت قرآنِ حکیم کی تلاوت کے ذریعہ حاصل ہوگی۔ اصل میں قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے :

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿﴾ (الحجر: 9)

’’بے شک یہ ’’ذکر‘‘ ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔‘‘

اللہ کا ذکر ہی دلوں کے لئے اطمینان اور چین کا باعث ہوتا ہے :

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿﴾ (الرعد : 28)

''جان لو! دلوں کو اطمینان تو اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔''

- آیت کے حصہ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ میں سردارانِ قریش کے اس مطالبہ کو رد کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم میں اُن کی خواہشات کے مطابق کچھ ترمیم کر دی جائے۔ سردارانِ قریش بار بار آپ ﷺ سے کہتے تھے کہ اس قرآن کا موقف انتہائی سخت ہے اور یہ ہمارے معبودوں کی کامل نفی کرتا ہے۔ لہٰذا آپ قرآن میں تبدیلی اور لچک پیدا کیجئے یا پھر دوسرا قرآن پیش کیجئے۔ سورۂ یونس آیت **15** میں اس بات کا ذکر یوں ہوا کہ :

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ

''جب ان مشرکین کو ہماری واضح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ کہ جو ہم سے ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ (اے محمدؐ)! اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن پیش کر دیا اس میں کچھ تبدیلی کر لو۔''

جواب میں آپ ﷺ سے کہلوایا گیا :

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿﴾

''(اے نبیؐ)! کہہ دیجئے' میرے لئے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میں اسے اپنے مرضی سے بدل دوں، میں تو خود پابند ہوں اُس کا کہ جو مجھ پر وحی کیا جا رہا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے تو خود اندیشہ ہے ایک بہت بڑے دن کی سزا کا۔''

یہ مضمون قرآنِ حکیم میں ایک سے زائد مرتبہ آیا ہے لیکن اس کا بیان سورۂ بنی اسرائیل کی آیات **73 - 75** میں اپنے نقطہ کمال (Climax) کو پہنچ گیا ہے :

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿﴾ (بنی اسرائیل : 73)

''اور (اے نبیؐ) قریب تھا کہ یہ لوگ آپؐ کو ہٹا دیں اُس کلام سے جو ہم نے آپؐ کی طرف وحی کیا ہے تا کہ آپؐ اِس کے سوا کوئی چیز اپنے پاس سے بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیں۔ تو پھر وہ آپؐ کو اپنا دوست بنا لیں گے۔''

گویا مشرکین آپ ﷺ پر پورا دباؤ ڈال رہے تھے کہ کسی طرح آپ ﷺ مصالحت پر آمادہ ہو جائیں اور کوئی ایسی بات اللہ کی طرف منسوب کر دی جائے کہ جس سے اُن کے مشرکانہ موقف کی تائید ہو جائے اور جھگڑے اور اختلاف کا خاتمہ ہو جائے گا۔

آیت **74** میں فرمایا:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿﴾

''اور (اے نبیؐ) اگر ہم ہی نے آپؐ کو ثبات عطا نہ کیا ہوتا تو کچھ بعید نہ تھا کہ آپؐ اُن کی جانب کچھ تھوڑا سا جھک ہی جاتے۔''

اِس آیت کے مضمون کو سمجھنے کے لئے اُس وقت کا تصور کیجئے جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اُس وقت بظاہر اسلام کے فروغ کا کہیں کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہر چہار طرف سے راستے بند نظر آ رہے تھے۔ ایسے حالات میں امکانی طور پر یہ خیال دل میں آ سکتا ہے کہ چلو وقتی طور پر اگر کچھ تھوڑی بہت مصالحت کر کے کام نکال لیا جائے تو اِس میں کیا حرج ہے۔ جب حالات ہمارے قابو میں آ جائیں گے تو ہم پھر اپنے اصل موقف کی طرف رجوع کر جائیں گے۔ اگر ہمارا موقف اِسی طریقے سے بالکل دوٹوک اور بے لچک رہا، تو پھر معاملہ بالکل ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ اِس امکان کا دروازہ بند کرنے کے لئے آیت **75** میں سختی کے انداز میں فرمایا گیا:

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا

نَصِيرًا ﴿۷۵﴾

"(اے نبیؐ)! اگر بالفرض ایسا ہو جاتا تو ہم آپؐ کو دوگنا مزا چکھاتے دنیا کی زندگی کے عذاب کا اور دوگنا ہی موت کے عذاب کا اور آپؐ ہمارے مقابلے میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے۔"

الفاظ کی ظاہری سختی آپ ﷺ کی طرف ہے لیکن اس سختی کا رخ اصل میں کفار کی طرف ہے۔ اُن کے کان کھولے جا رہے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ سے اس بات کی توقع نہ رکھو کہ وہ تمہاری باتوں میں آ کر اللہ کے کلام میں تغیر وتبدل کی جسارت کریں گے۔ یہاں دیکھئے کہ اس پر فریب مصالحانہ روش کی کس شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے اور اس دامِ ہمرنگِ زمین میں کسی داعی حق کے گرفتار ہو جانے کے امکان یا اندیشے کا کس شد ومد اور کتنے اہتمام کے ساتھ سدِ باب کیا گیا ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

اس شعر میں بڑی حکیمانہ بات بیان کی گئی ہے۔ باطل کا وجود اپنے بل پر قائم رہ ہی نہیں سکتا لہٰذا وہ مجبور ہوتا ہے کہ وہ خود کو قائم رکھنے کے لئے حق کا کوئی سہارا لے۔ اس کے برعکس حق بذاتِ خود کھڑا ہوتا ہے اور اُسے باطل سے کسی سمجھوتہ کی ضرورت نہیں۔

- وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا سے مراد یہ ہے کہ اے نبی ﷺ سمجھ لیجئے کہ آپ ﷺ کو پناہ اور نصرت وتائید تو بس اللہ ہی کے ہاں ملے گی۔ آپ ﷺ کبھی بھی ظاہری اسباب کی طرف نہ متوجہ ہوں اور نہ ہی ان سے متاثر ہوں قرآنِ حکیم میں آپ ﷺ کو بار بار تلقین کی گئی اللہ ہی پر بھروسہ کر کے اُسی کے ہو جائیے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰهَ

اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴾ (المزمل : 8 - 9)

''اور (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اُسی کے ہو جایئے ۔ وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو اُسی کو اپنا کارساز بنا لیجئے ۔''

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾ (نساء : 81)

''تو (اے نبیؐ) اِن (منافقین) کو چھوڑ یے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے ۔''

وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾ (احزاب : 48)

''اور (اے نبیؐ) اِن (مخالفین) کی طرف سے تکالیف کا خیال نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے ۔''

☆ آیت : 28 :

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ -- اور روکے رکھیے اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام -- يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ -- جو اُس کی رضا کے طلب گار ہیں -- وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ -- اور آپؐ کی نگاہیں اِن سے نہ ہٹیں -- تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا -- (کیا) آپؐ دنیوی زندگی کی زینت کے طالب ہیں؟ -- وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا -- اور مت کہنا مانیے اُس کا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے -- وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ -- اور جو پیروی کر رہا ہے اپنی خواہشِ نفس کی -- وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ اور اُس کا معاملہ حدود سے تجاوز پر مبنی ہے ۔

- اِس آیت کا ابتدائی حصہ ہے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ آیت کے اِس حصہ میں سردارانِ قریش کے

ایک مطالبہ کا رد ہے۔ سردارانِ قریش اس بات پر معترض تھے کہ آپ ﷺ کے آس پاس بیٹھنے والے تو اکثر وہ لوگ ہیں جو ہمارے غلاموں کے طبقہ سے ہیں، اُن کی موجودگی میں ہم آپ ﷺ کی محفل میں کیسے آسکتے ہیں؟ آپ ﷺ اُن کو اپنے پاس سے ہٹا دیجیے۔ آپ ﷺ درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر ان سرداروں کی اُس وقت پذیرائی فرماتے جب وہ آپ ﷺ کے پاس مصالحانہ گفتگو کے لئے آتے :

i- آپ ﷺ جانتے تھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایمان لے آیا تو اس سے اسلام کے لئے راستے کھل جائیں گے کیونکہ بہت سے لوگ ان کے تابع ہیں اور ان کے خوف یا مرعوبیت کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

ii- یہی لوگ ہیں جو کمزور اہلِ ایمان کو ستاتے ہیں۔ ان کا ایمان لانا، اہلِ ایمان کے لئے سہولت کا باعث ہوگا۔

iii- خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا (اُن میں سے جو جاہلیت میں آگے تھے وہ اسلام میں بھی آگے ہوں گے جب کہ وہ دین کی تعلیمات سمجھ لیں۔ متفق علیہ) کے مصداق اس طبقہ میں ایک خود اعتمادی اور قائدانہ صلاحیت ہوتی ہے اور یہ لوگ ڈٹ کر اُس نظریہ کی تبلیغ کرتے ہیں جسے قبول کر لیں، جیسا کہ حضرت عمرؓ کے لئے نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی تھی اور اُن کے قبولِ اسلام سے واقعی مکہ میں اسلام کی دعوت کا کام آسان ہوا اور اہلِ ایمان کو بھی دنیوی اعتبار سے سہارا ملا۔

iv- غلبہ دین کے لئے کام کرنے والی تحریک کا اوّلین مخاطب معاشرے کے بالا دست طبقات ہوتے ہیں۔ انہی کے ہاتھ میں نظام کی باگ ڈور ہوتی ہے اور پھر وہ انقلاب کے بعد متبادل نظام کو چلانے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اسی طبقہ میں سے تھے جنہوں نے نبی

اکرم ﷺ کے بعد نظامِ خلافت کو بڑی عمدگی سے مستحکم کیا اور اس کے دائرے کو وسیع سے وسیع تر کیا۔

ان وجوہات کی بنیاد پر جب یہ سردارانِ قریش آتے، تو آپ ﷺ ان کی طرف خاص توجہ فرماتے۔ یہاں متوجہ کیا گیا کہ اے نبی ﷺ آپ کی یہ خواہش اپنی جگہ بجا ہے کہ سردارانِ قریش ایمان لے آئیں تاکہ مسلمانوں کے لئے آسانی ہو جائے، لیکن ان کی جانب آپ ﷺ کی یہ غیر معمولی توجہ اُن فقراء کی حق تلفی کا باعث نہ بنے جو پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں اور اپنی تربیت کے لئے آپ ﷺ کی توجہات کے مستحق ہیں۔ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ میں لفظ ''صبر'' کو نوٹ کیجئے جو منتخب نصاب کے اس حصے کا اصل موضوع ہے جو ہمارے زیرِ مطالعہ ہے۔ صبر کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اے نبی ﷺ آپ ان فقراء اور ضعفاء کو اپنی صحبت کا فیض عطا فرمائیں جو اگرچہ کمزور اور بے حیثیت ہیں لیکن ایمان لا چکے ہیں۔ اگرچہ دنیوی مال واسباب ان کے پاس نہیں ہے، لیکن یہ ایمان اور محبتِ الٰہی کی دولت سے مالا مال ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، صرف اُسی کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور صرف اُس کی رضا کے طالب ہیں۔

اسی پس منظر میں وہ واقعہ پیش آیا کہ جس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ گرفت بھی ہوئی۔ ایک نابینا صحابی عبداللہ بن اُمّ مکتومؓ ایک بار ایسے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ ﷺ سردارانِ قریش سے گفتگو فرما رہے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بار بار آپ ﷺ کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرتے جس پر آپ ﷺ کے چہرے پر کسی قدر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ سورۂ عبس کے آغاز میں اسی واقعہ کا ذکر ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰی ۞ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۞ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی ۞ اَوْ

يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴿﴾ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ﴿﴾ وَهُوَ يَخْشٰى ﴿﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿﴾ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿﴾ (عبس: 1 - 12)

''اُنہوں نے تیوری چڑھائی اور رُخ پھیر لیا کہ اُن کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا۔ اور آپؐ کو کیا معلوم شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت اخذ کرتا تو وہ نصیحت اس کے لئے فائدہ بخش ہوتی۔ اور وہ کہ جو بے پروائی اختیار کرتا ہے تو آپؐ اُس کے پیچھے پڑتے ہیں اور جو چل کر آتا ہے اور جس کے دل میں خوف ہے تو آپؐ اُس سے اعراض کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں! یہ تو بس ایک یاددہانی ہے، تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔''

یہ معاملہ ہر رسولؐ کے دور میں پیش آیا کہ اُن رسولؐ پر ایمان لانے میں سبقت فقراء نے کی اور سردارانِ قوم نے اِن فقراء کا مذاق اڑایا۔ اِنہی فقراء کے بارے میں حضرت نوحؑ سے اُن کی قوم کے سرداروں نے کہا تھا هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ کہ اے نوحؑ! تم پر ایمان لانے والے سرسری نگاہ میں ہمارے معاشرے کے گھٹیا لوگ ہیں (ھود : 27)۔ یہ مضمون بڑی وضاحت سے سورۂ انعام آیات 52 - 54 میں بیان ہوا :

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿﴾

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ

عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ اَنَّهٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ

وَاَصۡلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴿۵۴﴾

"اور (اے نبیؐ) نہ دور کیجئے (اپنے پاس سے) اُن کو جو صبح و شام اپنے رب سے دعا کرتے ہیں، اُسی کی رضا کے طالب ہیں، اُن کے حساب (اعمال) کی جوابدہی آپؐ پر نہیں اور آپؐ کے حساب کی جوابدہی اُن پر نہیں پس اگر (بالفرض) آپؐ نے اُن کو دور کیا تو آپؐ عدل نہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے کہ (جو دولت مند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟ اور کیا اللہ شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟ اور (اے نبیؐ) جب آپؐ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لے آئے ہیں تو آپؐ فرما دیجئے تم پر سلامتی ہو تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت لازم کر رکھی ہے، اگر تم میں سے کوئی نادانی میں کوئی برائی کر بیٹھے اور پھر توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو بے شک وہ (اللہ) بہت بخشنے، رحم فرمانے والا ہے۔"

- آگے فرمایا وَلَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا۔ آپ ﷺ کی نگاہیں اِن درویشوں سے ہٹ کر اُن سردارانِ قریش کی جانب متوجہ نہ ہونے پائیں۔ اگر آپ ﷺ کی توجہ کا رُخ اِن فقراء کے مقابلہ میں سردارانِ قریش کی طرف زیادہ ہو گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ شاید آپ ﷺ بھی دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہو گئے ہیں۔ سورۂ کہف کا موضوع ہے دنیا پرستی کی مذمت۔ یہ بھی دنیا پرستی کا مظہر ہے کہ کوئی شخص تعلقات اُستوار کرنے کے لئے جاہ و منصب اور مال و دولت کو سیرت و کردار پر ترجیح دے۔
- آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَاتَّبَعَ

ھَــوَاهُ وَکَانَ اَمْرُهُ فُرُطًا۔ آیت کے اِس حصہ میں آپ ﷺ کو سردارانِ قریش کی صلح کی پیشکش کو قبول کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ کسی داعیٔ حق کے لئے مصالحت کی پیشکش کا یہ جال انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ اِس معاملہ میں براہِ راست مقابلہ یا مخالفت کی فضا نہیں ہوتی اور بظاہر انداز میٹھا ہوتا ہے لیکن اگر کوئی داعی اِس جال میں پھنس جائے تو اُس کی منزل کھوٹی ہو جاتی ہے۔

مکہ میں جو حالات تھے اُن کے پیشِ نظر نبی اکرم ﷺ کے لئے مصالحت کی پیشکش سے متاثر ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ مکہ میں پورے دس سال آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے طنز کے تیر اور تشدد کے وار برداشت کیے تھے۔ پھر آپ ﷺ بڑی امیدوں کے ساتھ طائف گئے کہ شائد کام کا کوئی راستہ کھلے لیکن وہاں تو آپ ﷺ کے لئے آزمائش کا معاملہ نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔ طائف پہنچ کر آپ ﷺ نے وہاں کے تین بڑے سرداروں سے ملاقات کی لیکن ہر طرف سے انتہائی دل توڑ دینے والا جواب ملا۔ چند روز آپ ﷺ نے وہاں کے عام لوگوں کو دعوت دی لیکن اُن کا ردعمل بھی مایوس کن تھا۔ پھر سرداروں نے کچھ اوباش چھوکرے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیے جنہوں نے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا، فقرے چست کیے، پتھر برسا کر جسمِ مبارک لہولہان کر دیا اور خاص طور پر ٹخنوں کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا۔ خون بہہ بہہ کر نعلین مبارک میں آ کر جم گیا۔ طائف سے واپسی پر ایک جگہ آپ ﷺ آرام کے خیال سے ذرا بیٹھے تو اِس وقت آپ ﷺ کی زبان پر جو دُعا آئی اُس نے یقیناً عرش کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا :

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ ، وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ، یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ، اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ؟ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِکَ

عَلَیَّ غَضَبٌ فَلاَ اُبَالِیْ ، وَلٰكِنَّ عَافِیَتَكَ هِیَ اَوْسَعُ لِیْ، اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلَحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِیْ غَضَبَكَ اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ

"بار الہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تُندی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں؟ لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اُس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوگئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔"

طائف سے واپس جب آپ ﷺ مکہ پہنچے تو حالات اتنے مخدوش تھے کہ مکہ میں داخلہ ممکن نہ تھا۔ آپ ﷺ نے مکہ کے ایک مشرک سردار مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ اگر تم مجھے اپنی پناہ میں لے لو تو میں مکہ میں داخل ہو سکتا ہوں۔ اُس نے کہا ٹھیک ہے، میں آپ ﷺ کو حمایت کا یقین دلاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پیغام بھجوایا کہ اس طرح نہیں، تم خود آؤ اور مجھے لے کر جاؤ۔ حالات اس درجہ ناموافق اور نامساعد ہو چکے ہیں کہ مطعم بن عدی اپنے بیٹوں کو لے کر ہتھیار لگا کر آتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو لے کر مکہ میں داخل ہوتا ہے۔

یہ ہیں وہ حالات کہ جن کی وجہ سے اس کا امکان تھا کہ آپ ﷺ قریش کی مصالحت

کی پیشکش کو قبول کرنے کی طرف مائل ہو جاتے۔ سورۂ کہف کی اس آیت میں اللہ نے فرمایا کہ یہ جو مصالحت کے لئے سردارانِ قریش آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں ان کے اصل کردار کو دیکھئے۔ یہ حق کو پہچاننے کے بعد اُس سے اعراض کر رہے ہیں۔ ان کے کہنے میں نہ آیئے۔ یہ لوگ خواہشاتِ نفس کا اتباع کر رہے ہیں اور ہماری یاد سے ان کے دل غافل ہیں۔ ان کی پوری زندگی ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں۔

سردارانِ قریش کے جس مطالبہ کو رد کرنے کا یہاں حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ تھا کہ ایک سال تک محمد ﷺ قریش کے معبودوں کی عبادت کریں تو پھر اگلے سال قریش صرف اور صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔ قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر قریش کی اس پیشکش کو سختی کے ساتھ مسترد کرنے کا بیان ہے:

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿﴾ (الانعام: 56)

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ بے شک مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اُن کی جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، (بالفرض) ایسا کیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ رہوں گا۔"

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿﴾ (یونس: 104 - 106)

"(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ لوگو! اگر تم کو میرے دین میں کسی طرح کا شک ہو تو (سن

رکھو کہ) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں ہو جاؤں ایمان لانے والوں میں سے۔اور یہ کہ (اے نبیؐ! سب سے) یکسو ہو کر دین (اسلام) کی پیروی کیجئے اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کو نہ پکاریں جو نہ آپؐ کو فائدہ پہنچا سکیں نہ نقصان اور اگر (بالفرض) ایسا کیا تو آپؐ ہو جائیں گے عدل نہ کرنے والوں میں سے۔"

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿﴾ (القصص : 86 - 88)

"اور آپؐ کو امید نہ تھی کہ آپؐ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر یہ آپؐ کے رب کی رحمت ہے تو آپؐ ہرگز کافروں کے ساتھی نہ بنیں اور وہ آپؐ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے روک نہ دیں بعد اس کے کہ وہ آپؐ پر نازل ہو چکی ہیں اور اپنے رب کو پکارتے رہیے اور نہ ہو جائیے مشرکوں میں سے اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود (سمجھ کر) نہ پکاریے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اُس کی (پاک) ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔حکم اُسی کا ہے۔اور اُسی کی طرف تم سب لوٹ کر جاؤ گے۔"

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿﴾ (الزمر : 64 - 66)

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ اے نادانو! تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت

کرنے لگوں؟ اور (اے نبیؐ) آپؐ کی طرف اور اُن (پیغمبروں) کی طرف جو آپؐ سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر (بالفرض) آپؐ نے شرک کیا تو آپؐ کے عمل برباد ہو جائیں گے اور آپؐ ہو جائیں گے خسارہ پانے والوں میں سے۔ بلکہ اللہ ہی کی عبادت کیجئے اور ہو جایئے شکرگزاروں میں سے۔''

بالآخر اِن ساری مصالحتی کوششوں کو سورہ کافرون میں دوٹوک الفاظ کے ذریعہ سردارانِ قریش کے منہ پر مار کر اُن سے اعلانِ برأت کر دیا گیا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴿﴾ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿﴾ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿﴾

''(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ اے کافرو! میں عبادت نہیں کروں گا اُن کی جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اُس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں اُن کی جن کی تم نے عبادت کی اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اُس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔''

☆ آیت : 29 :

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ -- اور (اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ یہ امرِ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے -- فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ -- تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے -- اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا -- ہم نے تیار کی ہے اِن ظالموں کے لئے ایک بڑی آگ، جس کی قناتیں اُنہیں گھیر لیں گی -- وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا -- اور اگر یہ فریاد کریں گے -- يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ -- تو اِن کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو کھولتے

ہوئے تانبے کی مانند ہوگا، جو جھلس کر رکھ دے گا ان کے چہروں کو -- بِئْسَ الشَّرَابُ -- بہت ہی بری ہوگی وہ پینے کی چیز -- وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿﴾ اور بہت ہی برا ہوگا وہ انجام جس سے وہ دوچار ہوں گے۔

- اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو تلقین کی جا رہی ہے کہ سرداران قریش کے لئے دعوت کی اہمیت اپنی جگہ لیکن اُن کو اہمیت دیتے ہوئے اس احتیاط کو ملحوظ رکھا جائے کہ دعوت کا وقار مجروح نہ ہو۔ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ سے مراد یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! ان سے ڈنکے کی چوٹ کہہ دیجئے کہ مجھے تمہاری کوئی خوشامد نہیں کرنی، یہ تمہارے رب کی جانب سے حق ہے جو میں پیش کر رہا ہوں۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ -- تو جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔ داعیٔ حق کے لئے یہ باوقار انداز برقرار رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ اس مغالطہ میں مبتلا نہ ہوں کہ اس کی کوئی ذاتی غرض اس دعوت کے ساتھ وابستہ ہے۔
- آیت کے اگلے حصہ میں غیظ وغضب کے انداز میں کفار کے انجام کا ذکر ہے۔ اللہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے ان ظالموں کے لئے آگ اور کھولتا ہوا پانی تیار کر رکھا ہے۔ آگ ان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لے گی جیسے کسی شامیانے کی قناتیں ہوتی ہیں۔ جب یہ چیخیں گے تو ان کی فریاد رسی، پگھلے ہوئے تانبے کی مانند کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی، جو اُن کے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔

ہجرت کا مرحلہ

قریش کو سودے بازی کی پیشکش کے جواب میں جب صاف کھرا جواب دے دیا گیا تو اُن کی طرف سے آپ ﷺ کے خلاف فیصلہ کن اقدام کرنے کی سازشیں شروع ہو گئیں :

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿﴾ (الانفال: 30)

" اور (اے نبیؐ یاد کیجئے) جب کافر لوگ آپؐ کے بارے میں سازش کر رہے تھے کہ آپؐ کو

قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں یا (مکہ سے) جلا وطن کر دیں۔تو وہ سازش کر رہے تھے

اور اللہ اپنی تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔''

جو قوم نبی کی جان کی دشمن ہو جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اب اُس سے کسی خیر کی توقع نہیں۔لہٰذا اب اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔اس کی تفصیل یوں ہوئی کہ سن ۱۱ نبوی ﷺ میں مدینہ کے ۶ افراد نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں۔یہ افراد مدینہ سے حج کے لئے آئے تھے۔ان کے سامنے جب آپ ﷺ نے دعوت رکھی تو اُنہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے سے یہ بات کی کہ یہودی جس نبی کی آمد کی پیشن گوئی کرتے ہیں، شاید یہ وہی نبی ہیں۔آؤ ہم یہود سے پہلے ہی ان ؑ پر ایمان لے آئیں۔ ان افراد کا تعلق مدینہ میں آباد عرب قبائل اوس اور خزرج سے تھا۔مدینہ میں تین یہودی قبائل بھی آباد تھے جو ان عربوں کو آخری نبی ﷺ کی آمد کی اطلاع دیا کرتے تھے۔

ایمان لانے والے ۶ ساتھیوں نے مدینہ جا کر دعوت کا کام کیا اور اگلے سال سن ۱۲ نبوی ﷺ میں ۱۲ افراد مدینہ سے آکر ایمان لے آئے۔نبی اکرم ﷺ نے اُن سے بیعت لی جسے بیعتِ عقبہٗ اُولیٰ کہا جاتا ہے۔اُنہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں قرآن سکھانے والا ایک ساتھی فراہم کر دیں۔آپ ﷺ نے اس عظیم کام کے لئے حضرت مصعبؓ بن عمیر کا انتخاب فرمایا۔

یہاں حضرت مصعبؓ بن عمیر کا شخصی تعارف کرا دینا بہت مناسب ہوگا۔یہ ایمان اُس وقت لائے جب ابھی بالکل نوعمر تھے۔بڑے ہی ناز و نعم میں پرورش ہوئی۔اُن کے لئے دو دو سو درہم کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔نہایت قیمتی اور معطر لباس میں ملبوس رہتے، جہاں سے گزرتے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے۔جب ایمان لائے تو گھر والوں نے سب کچھ چھین کر بالکل برہنہ حالت میں گھر سے نکال دیا۔اب یہ نوجوان ہر شے سے کٹ کر آپ ﷺ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔تربیت محمدی ﷺ سے فیض پاتا ہے، نورِ قرآن سے سرفراز ہوتا ہے اور پھر معلم قرآن بنا کر مدینہ بھیج دیا جاتا ہے۔یہ اُنؓ کی محنت کا ثمر تھا کہ اگلے سال سن ۱۳

نبوی ﷺ میں کے حج کے موقع پر ۷۲ مرد اور ۳ خواتین مدینہ سے آکر اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر اُن سے جو بیعت لی اُسے بیعتِ عقبہ ٔ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ اس بیعت کے الفاظ یہ ہیں :

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

''عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی سننے اور اطاعت کرنے کی مشکل اور آسانی میں، دلی آمادگی اور ناگواری میں اور خواہ کسی کو ہم پر ترجیح دے دی جائے اور یہ کہ ہم ذمہ دار حضرات سے نہیں جھگڑیں گے اور یہ کہ ہم جہاں کہیں ہوں گے حق بات ضرور کہیں گے اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔'' (متفق علیہ)

جماعت سازی کے لئے بیعت ہی وہ واحد اساس ہے جس کا ذکر ہمیں قرآن و سنت میں ملتا ہے پھر ہمارے اسلاف نے بھی جب کوئی اجتماعیت قائم کی تو اُس کی اساس بیعت ہی پر رکھی۔ جماعت سازی کے دوسرے طریقے ہمارے ہاں اکثر و بیشتر مغرب سے درآمد شدہ ہیں۔

بیعتِ عقبہ ٔ ثانیہ کے موقعہ پر اہلِ مدینہ نے آپ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ﷺ مدینہ آجائیں، ہم آپ ﷺ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جیسے اپنے اہل وعیال کی کرتے ہیں۔ یہ معاہدہ ہوا اور ہجرتِ مدینہ کے لئے راہ ہموار ہوگئی۔ اس کے بعد سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 80 میں ہجرت کا حکم ایک دُعا کی صورت میں وارد ہوا :

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾

''اور اے نبی ﷺ! اپنے رب سے دُعا کیجئے کہ اے میرے رب! مجھے داخل کر سچائی کا داخل کرنا

اور مجھے نکال سچائی کا نکالنا اور میرے لئے خاص اپنے خزانہ فضل سے وہ غلبہ وقوت عطا فرما
جو میری پشت پناہ بنے۔"

اللہ کی طرف سے اس انداز میں دُعا کی تلقین، دراصل اس کی پیشگی قبولیت کے اعلان کے طور پر ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک بشارت ہے کہ اب آپ ﷺ کی دعوت ایک دوسرے مرحلے میں داخل ہونے والی ہے۔ اب وہ دور آیا چاہتا ہے کہ جس میں وہ سرزمین کہ جو "دارالھجرت" بننے والی ہے، وہاں آپ ﷺ کو اقتدار حاصل ہوگا اور اس طرح دینِ حق کے غلبے کی راہ ہموار ہوگی۔ کچھ ہی عرصہ بعد وہ صورت ہوجائے گی کہ حق کا بول بالا ہوگا اور باطل نیست ونابود ہوجائے گا۔ اس کی بشارت سورہ بنی اسرائیل کی اگلی آیت میں موجود ہے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿﴾ (بنی اسرائیل: 81)

"اعلان کردیجئے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل تو ہے ہی مٹنے والا۔"

ان شاءاللہ! اب اگلے درس سے ہم مدنی دور میں پیش آنے والے صبر کے مراحل کو سمجھنے کا آغاز کریں گے۔

منتخب نصاب حصہ پنجم

درسِ چہارم: سورہ البقرۃ آیات 153 تا 157

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْہُمْ مُّصِیْبَۃٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُہْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

☆ تمہیدی نکات:

۱- منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ چہارم سورۃ البقرۃ کی آیات 153 تا 157 کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔

۲- ان آیات کے مضامین کے فہم کے لئے ہمیں سورۃ البقرۃ میں اُس مقام کو سمجھنا ہوگا جہاں یہ آیات آئی ہیں۔ اس حوالے سے حسبِ ذیل نکات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

- سورۃ البقرۃ پہلی مدنی سورۃ ہے جو تقریباً دو سال کے عرصہ میں، ہجرت کے فوراً بعد اور جنگِ بدر سے پہلے، نازل ہوئی۔ صرف چند آیات مستثنیٰ ہیں مثلاً سود کی حرمت سے متعلق آیات اور قرض کے لین دین سے متعلق احکام پر مشتمل طویل آیت جو کہ مدنی دور کے آخری زمانے سے متعلق ہیں، یا پھر آخری دو آیات جن کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ وہ معراج کی شب نبی اکرم ﷺ کو اُمت کے لئے تحفے کے طور پر عطا ہوئیں۔

- سورۃ البقرۃ میں **40** رکوع اور **286** آیات ہیں۔ اِس سورۃ کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ **18** رکوعوں اور **152** آیات پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے حصے میں **22** رکوع اور **134** آیات ہیں۔ پہلے حصہ میں خطاب کا رخ سابقہ امتِ مسلمہ یعنی بنو اسرائیل کی طرف ہے اور دوسرے حصہ میں خطاب موجودہ اُمتِ مسلمہ یعنی مسلمانوں سے ہے۔
- سورۃ البقرۃ کے پہلے حصہ کے **18** رکوعوں میں سے ابتدائی **4** رکوع تمہیدی نوعیت کے ہیں۔ پھر **10** رکوعوں میں بنو اسرائیل سے براہِ راست خطاب ہے۔ اِن رکوعوں میں بنو اسرائیل کو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور وہ بے شمار نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں جو اللہ نے اُنہیں عطا فرمائیں۔ پھر ذکر ہے اُن کی طرف سے نعمتوں کی ناقدری اور اُن کی اُس دنیا پرستی کا جس کی وجہ سے اُنہوں نے اللہ کی کتابوں میں تحریف اور احکاماتِ شریعت سے پہلوتہی کی۔ اِس طرح بنو اسرائیل پر ملامت کے انداز میں ایک مفصل فردِ جرم عائد کرنے کے بعد پہلے حصہ کے آخری **4** رکوعوں میں اُمت کے منصب سے بنو اسرائیل کی معزولی اور اِس منصب پر مسلمانوں کو فائز کرنے کا اعلان ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۚ (البقرۃ : **143**)

"اور اِسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی اُمت بنایا کہ تم گواہ بن جاؤ لوگوں پر اور رسول ﷺ گواہ بن جائیں تم پر۔"

اِس آیت میں ایک اہم اصطلاح "شہادت علی الناس" وارد ہوئی ہے جس کا مفہوم ہے لوگوں پر اتمامِ حجت کر دینا یعنی قول و عمل کے ذریعہ دینی تعلیمات کی گواہی دینے کا اِس طرح حق ادا کرنے کی پوری کوشش کرنا کہ نوعِ انسانی

روزِ قیامت اللہ کے سامنے اپنی بے عملی کا کوئی جواز نہ پیش کر سکے۔

- مسلمانوں کو امت کے منصب پر فائز کرنے اور اُن کے لئے شہادت علی الناس کی بھاری ذمہ داری بیان کرنے کے بعد اب 19 ویں رکوع سے سورۃ البقرۃ کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جس میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ اس حصہ کا آغاز آیات 153 تا 157 سے ہو رہا ہے جن کا بیان ہمارے اس درس میں شامل ہے۔

۳ - سورۃ البقرۃ کی آیت 153 کی اس اعتبار سے بھی اہمیت ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے قرآنِ حکیم میں مسلمانوں سے باضابطہ خطاب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سے قبل سورۃ فاتحہ اور سورۃ البقرۃ کے 18 رکوعوں میں مسلمانوں کے لئے ہدایت اور عبرت کے مضامین تو بیان ہوئے ہیں لیکن کوئی باضابطہ خطاب نہیں ہوا۔

آیات پر غور وفکر

☆ آیت : 153 :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا -- اے وہ لوگو جو ایمان لائے ! -- اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ -- مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے -- اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿﴾ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کے الفاظ مدنی قرآن میں بکثرت آئے ہیں لیکن مکی قرآن میں کہیں بھی نہیں آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی حیثیت محض ایک انقلابی جماعت (Revolutionary party) کی سی تھی۔ مدینہ میں آکر سورۃ البقرۃ کی آیت 143 کے ذریعہ مسلمانوں کی بحیثیت اُمتِ مسلمہ باقاعدہ تاج پوشی (Coronation) ہوئی۔ لہٰذا سورۃ البقرۃ کی یہ آیت 153 وہ پہلا مقام ہے جہاں مسلمانوں سے بحیثیت اُمتِ مسلمہ گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے۔
- اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ کے الفاظ میں مسلمانوں کے لئے مدنی دور کے آغاز

ہی میں ایک پیشگی تنبیہ ہے۔ مسلمانوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ ہجرت کے بعد اب تمہاری تکالیف کا دور ختم ہوگیا۔ تم نے ہجرت کی ہے فرار کی راہ اختیار نہیں کی۔ درحقیقت تمہاری جدوجہد اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی ہے :

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!

تمہاری یہ دعوت اور تحریک اب ایک ایسے مرحلہ میں آگئی ہے کہ جہاں نظریاتی تصادم اور کشمکش سے آگے بڑھ کر عملی تصادم یعنی قتال کا آغاز کرنا ہوگا۔ مکی دور میں تم صبر محض (Passive Resistance) کے مرحلہ میں تھے جہاں برائی کا جواب اچھائی سے دینے کا حکم تھا۔ اب تم اقدام (Active Resistance) کے مرحلہ میں داخل ہوگئے ہو۔ اب صرف جھیلنے اور برداشت کرنے کے مرحلہ سے آگے بڑھ کر باطل پر حملہ آور ہونے اور دشمن پر ضرب لگانے کا وقت آ رہا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ آنے والا دور ہرگز کوئی آسائشوں اور آرام کا دور نہیں ہے بلکہ تمہارے لئے نئی اور زیادہ کٹھن آزمائشوں کے دروازے کھل رہے ہیں۔ ان آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے کے لئے صبر و استقامت اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

- استعانت کا مفہوم ہے مدد چاہنا یا قوت حاصل کرنا۔ اس حوالے سے تین سوالات اہم ہیں۔ ایک یہ کہ استعانت کس سے طلب کی جائے؟، دوسرا یہ کہ کس کام کے لئے اس کی ضرورت ہے؟ اور تیسرا یہ کہ اس کے حصول کے ذرائع کیا ہیں؟ پہلے سوال کا جواب سورۂ فاتحہ آیت 4 میں دیا گیا کہ :

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ﴿۴﴾

”(اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے۔“

دوسرے سوال کا جواب سورہ بقرۃ آیت **143** میں دیا گیا کہ استعانت کی ضرورت ہے شہادت علی الناس کی کٹھن ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے۔ نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت کی بھاری ذمہ داری پہلے رسولوں پر تھی اور اب کارِ رسالت کا یہ بوجھ اُمت کے کاندھوں پر آ گیا ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے قول و عمل اور غلبۂ دین کی اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ لوگوں کے سامنے دینِ حق کی گواہی دینے کا فریضہ ادا کریں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم روزِ قیامت سرخرو ہو جائیں گے۔ بصورتِ دیگر ہم ایسے مجرم ثابت ہوں گے کہ نہ صرف اپنی کوتاہی بلکہ دوسروں کی گمراہی کا وبال بھی ہمارے سر آئے گا۔ روزِ قیامت لوگ الزام لگائیں گے کہ یہ دین کے وہ نام لیوا ہیں جو اپنے غلط سیرت و کردار کی وجہ سے دین کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔ استعانت کے حوالے سے تیسرے سوال کا جواب سورہ بقرۃ کی اِس آیت **153** میں دیا جا رہا ہے کہ شہادت علی الناس کی اہم ذمہ داری ادا کرنے کے لئے قوت حاصل کرو صبر و ثبات اور نماز سے۔

- کٹھن مراحل میں اللہ کی مدد کے حصول کے ذرائع ہیں نماز اور صبر۔ اِس سے پہلے سورۂ عنکبوت کی آیت **45** میں بھی ہم پڑھ چکے ہیں کہ مشکلات کے دوران انسان کا بڑا سہارا نماز ہے :

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ

”(اے نبیؐ) تلاوت کیجئے اُس کی جو وحی کیا گیا ہے آپؐ کی طرف کتاب میں سے اور نماز قائم کیجئے، یقیناً نماز برائی سے اور بے حیائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔“

نماز کی غرض و غایت اللہ کی یاد اور اُس کے ساتھ تعلق کو زندہ کرنا اور مضبوط رکھنا ہے۔

ایک مومن کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے اللہ کی رضا کا حصول۔ اُس کی ساری دینی سرگرمیاں اِسی کی خاطر ہوتی ہیں۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انقلابی جدوجہد میں ثابت قدم رہنے کا دارومدار اپنے نصب العین کے ساتھ پوری یکسوئی کے ساتھ وابستگی اور لگاؤ پر ہے۔ اپنے نصب العین سے وابستگی جس قدر گہری ہوگی، اُسی قدر مشکلات کو برداشت کرنے اور مصائب جھیلنے کا حوصلہ زیادہ ہوگا۔ انسان نتائج کی پرواہ کیے بغیر محنت کرتا رہے گا۔ نماز، خصوصاً نوافل کا اہتمام، اِس نصب العین کے ساتھ وابستگی کا انتہائی مؤثر ذریعہ ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انقلابی جدوجہد کے دوران استقامت اور کامیابی کا انحصار اسباب پر نہیں اللہ کی مدد پر ہوتا ہے۔ سورۂ آلِ عمران آیت **160** میں فرمایا گیا:

اِنۡ يَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَـكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ يَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکے گا۔ اور مومنوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔"

اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے اللہ سے خصوصی تعلق قائم کر کے جس کی بہترین صورت ہے نماز۔ فرض نماز کے علاوہ نوافل کا اہتمام اِس لئے ضروری ہے کہ اِن میں انسان سکون سے طویل قیام وسجود اور اللہ سے مناجات کرسکتا ہے۔ فرض نماز میں تو امام صاحب کی اقتداء کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ نوافل میں بھی زیادہ اہمیت ہے رات کے پچھلے پہر نمازِ تہجد کی ادائیگی کی۔ اِس وقت اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات کا ظہور سماءِ دنیا پر ہوتا ہے اور اللہ پکارتا ہے:

"ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اُس کی دعا پوری کروں، ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اُس کو عطا کروں؟ ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اُس کو بخش دوں۔" (مسلم)

اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

عطار ہو' رومی ہو' رازی ہو' غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

- کٹھن مراحل میں اللہ کی نصرت حاصل کرنے کا دوسرا ذریعہ ہے صبر۔ یہاں صبر سے مراد ہے استقامت۔ بلاشبہ کسی بھی کام کے لئے کامیابی کی کنجی استقامت ہے۔ کسی بھی مشن کی ابتداء میں کچھ مشکلات سامنے آتی ہیں لیکن جب انسان اُس مشن کی خاطر ڈٹ جائے تو پھر اللہ کی مدد آجاتی ہے۔ اِسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ - بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے! یہاں ساتھ سے مراد ہے نصرت کیونکہ ویسے تو اللہ ہر انسان کے ساتھ ہے۔ سورۂ حدید آیت 4 میں فرمایا گیا ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے)۔ اِس طرح کے الفاظ میں اللہ کے عمومی ساتھ کا ذکر ہے جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ البتہ اللہ کا خصوصی ساتھ اُن کے لئے ہے جو دین کی راہ میں یکسو ہو کر آئیں اور ڈٹ کر اس راہ کی مشکلات کو برداشت کریں۔ اللہ کی یہ نصرت اُن کے لئے نہیں جن میں مصائب جھیلنے اور مشکلات برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں، جو تھڑ دلے، بزدل اور کم ہمت لوگ ہیں۔ جن کی کیفیت یہ ہے کہ دنیا کو بھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، یہاں کی لذات سے کنارہ کشی بھی کسی درجے میں گوارا نہیں ہے، مال و اولاد کی محبتیں بھی دل کے اندر گہری موجود ہیں اور اِس کے ساتھ ساتھ کچھ دین کی طرف بھی رغبت ہے۔ ایسے لوگ کسی طرح کا کوئی کام نہیں کرسکتے۔ اللہ کی مدد تو اُنہی لوگوں کے شاملِ حال ہوتی ہے جو ''ہر چہ باد اباد - ما کشتی در آب انداختیم'' (اب جو ہو سو ہو، ہم نے تو اپنی کشتی دریا میں ڈال دی ہے) کے جذبہ کے ساتھ آئیں۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ کی توفیق و تائید حاصل ہوتی ہے۔ سورۂ عنکبوت کی آخری آیت بھی ہم

پڑھ آئے ہیں کہ :

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

''اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کریں گے ہم ضرور اُن کو اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے اور بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔''

☆ آیت : **154** :

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ -- اور مت کہو اُن کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں! -- بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔

- اس آیت میں انتہائی اہم حقیقت بیان کی گئی ہے جس کی زیادہ وضاحت آئی ہے سورۂ آلِ عمران آیات **169 تا 171** میں :

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''اور ہرگز گمان نہ کرنا اُن کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ خوش ہیں اُس (انعام واکرام) سے کہ جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں عطا فرمایا اور خوش خبریاں حاصل کر رہے ہیں اپنے بعد والوں میں سے اُن لوگوں کے بارے میں کہ جو ابھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے، کہ نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوشخبری حاصل کر رہے ہیں اللہ کے انعام اور اُس کے فضل پر اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

اس آیت کی وضاحت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ :

''ہم نے اس آیت کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شہدا کی روحیں جنت میں سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں ہوں گی۔ اُن کے گھر قندیلوں کی طرح ہوں گے جو عرش سے لٹکی ہوں گی۔ وہ جنت میں سیر کریں گے جہاں چاہیں گے۔ پھر اپنی قندیل میں آ کر بیٹھ جائیں گے۔ اُن کا رب پوچھے گا تمہیں کسی شے کی خواہش ہے۔ وہ کہیں گے ہمیں کس شے کی خواہش ہو؟ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں پہنچ جاتے ہیں۔ اُن کا رب اُن سے تین بار پوچھے گا۔ جب وہ دیکھیں گے کہ انہیں بغیر پوچھے چھوڑا نہیں جائے گا تو وہ کہیں گے ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو دوبارہ ہمارے جسموں میں ڈال کر دنیا میں بھیج دیا جائے تا کہ ہم دوبارہ اللہ کی راہ میں قتل ہوں۔ اس کے بعد اُن سے کسی شے کی خواہش کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا۔'' (مسلم)

- قرآنِ حکیم اور احادیثِ مبارکہ سے رہنمائی ملتی ہے کہ شہداء کو اُن کی شہادت کے فوراً بعد جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے یعنی اُن کے لئے برزخ کا مرحلہ جنت میں طے ہوتا ہے۔ سورۂ یٰس میں اللہ کے ایک نیک بندے کے بارے میں الفاظ آتے ہیں :

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿﴾ (یٰس : 26 - 27)

''حکم ہوا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں، اُس نے کہا کاش میری قوم کو خبر ہو کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور کر دیا عزت والوں میں سے۔''

سورۂ محمد ﷺ کی آیات 4 تا 6 میں یہ مضمون زیادہ وضاحت کے ساتھ آیا ہے :

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿﴾ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿﴾

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کے اعمال کو اللہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

(بلکہ) اُن کو سیدھے رستے (جنت کی طرف) چلائے گا اور اُن کی حالت درست کر دے گا اور اُن کو داخل کرے گا جنت میں جس سے اُنہیں شناسا کر رکھا ہے۔"

- اللہ کی راہ میں شہادت کی اہمیت درج ذیل حدیثِ مبارکہ سے بھی واضح ہوتی ہے :

"کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں کہ جو جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا کرے خواہ اُس کو ساری زمین پر جو کچھ ہے وہ دے دیا جائے مگر شہید تمنا کرے گا کہ وہ دنیا کی طرف لوٹ جائے پھر دس مرتبہ قتل ہو، اس اعزاز کی وجہ سے جو شہادت پر اُس نے دیکھا۔" (بخاری و مسلم)

نبی اکرم ﷺ خود بھی اللہ کی راہ میں شہادت کی تمنا فرمایا کرتے تھے :

"میری تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستہ میں قتل کر دیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جاؤں۔" (بخاری)

ہر مسلمان کو خلوص کے ساتھ اللہ سے شہادت کی موت طلب کرنی چاہیے۔ خلوص کی علامت یہ ہے کہ غلبۂ دین کی جدوجہد میں فعال طریقہ سے شریک ہو کر کوشش کی جائے کہ یہ جدوجہد تصادم کے مرحلے تک پہنچے تا کہ شہادت کا رتبہ حاصل کرنے کا امکان پیدا ہو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

"جس نے سچی نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کی، اللہ تعالیٰ اُس کو شہداء کے مقامات میں پہنچا دیں گے۔ خواہ وہ بستر پر فوت ہو۔" (مسلم)

اللہ کے رستہ کی جو موت آئے مسیحا
اکبر یہی ایک دوا میرے لئے ہے

- اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کے لئے معروف اصطلاح "شہید" کی ہے۔ یہ اصطلاح قرآنِ حکیم میں اگرچہ کئی بار آئی ہے لیکن قرآن مقتول فی سبیل اللہ کے لئے

لفظ ''شہید' استعمال نہیں کرتا۔ اِس میں استثناء صرف سورۂ آلِ عمران کی آیت **140** ہے جس میں وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ (اور تا کہ وہ تم میں سے کچھ کو مرتبۂ شہادت پر فائز کرے) میں لفظ ''شُهَدَاءَ'' کو مقتولین فی سبیل اللہ کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ دیگر تمام مقامات پر مقتول فی سبیل اللہ کے لئے اِس لفظ کا استعمال ہمیں قرآنِ حکیم میں نہیں ملتا۔ تاہم احادیثِ مبارکہ میں مقتول فی سبیل اللہ کے لئے لفظ شہید کا استعمال بھی مل جاتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں لفظ شہادت کا استعمال اصلاً دینِ حق کی گواہی دینے کے لئے ہے۔ اللہ کی توحید کی گواہی، محمد ﷺ کی صداقت اور رسالت کی گواہی، آخرت کے حق ہونے کی گواہی اور قرآن کی حقانیت کی گواہی۔ یہ گواہی صرف اپنے قول سے ہی نہیں عمل سے بھی دینی ہے۔ یہ ہے ہر مسلمان کی ذمہ داری اور اِس کے لئے قرآنِ حکیم کی اصطلاح ہے ''شہادت علی الناس''۔ شہادت کی اِس ذمہ داری کا اللہ کی راہ میں جان دینے سے گہرا معنوی تعلق ہے۔ جس شخص نے حق کے غلبہ کی جدوجہد کے دوران اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دی، اُس نے گویا کہ آخری درجہ میں یعنی دین کی خاطر اپنی زندگی قربان کر کے دینِ حق کی شہادت دے دی۔ لہٰذا اب ایسا شخص شہید (گواہ) کہلانے کا بتمام وکمال مستحق ہو گیا۔

- اِس آیت میں شہداء کی برزخی زندگی کے بارے میں وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ کے الفاظ میں ہمارے لئے بڑی اہم رہنمائی پوشیدہ ہے۔ شہداء کو اللہ برزخ میں جس طرح کی حیات عطا فرماتا ہے اور جس طور سے انہیں رزق مہیا فرماتا ہے، اِسے سمجھنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ بدقسمتی سے برزخی زندگی کے حوالے سے مسلمانوں میں ایک مذہبی بحث نے بڑی شدت اختیار کی ہوئی ہے۔ وہ بحث یہ ہے کہ برزخ میں نبی اکرم ﷺ کی حیات کی کیا نوعیت ہے؟

قرآن وحدیث کی بنیادی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت ہے کہ موت مومن یا کافر کے لئے خاتمہ کا نام نہیں ہے۔ اِدھر آنکھ بند ہوتی ہے تو دوسرے عالم میں کھل جاتی ہے۔ یہ عالمِ برزخ ہے جس کا تسلسل قیامت تک رہے گا۔ اِس برزخی دور میں ایک نوع کی حیات تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اِس برزخی حیات کا مرحلہ مومنوں اور کافروں کے لئے مختلف کیفیات کے ساتھ ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا (ترمذی)۔ قبر سے مراد مٹی کا وہ ڈھیر نہیں جس کے نیچے انسان مدفون ہوتا ہے، بلکہ اِس سے مراد عالمِ برزخ ہے۔ چنانچہ خواہ کوئی شخص سمندر میں غرق ہو کر مرا ہو یا مرنے کے بعد اُس کے جسم کو جلا دیا گیا ہو یا کسی جنگلی جانور نے کھا لیا ہو یا کسی قبر میں مدفون ہو، عالمِ برزخ میں وہ ثواب یا عذاب کی کیفیت سے گزرتا ہے۔ ثواب کے اعتبار سے مومنوں کے بھی درجات ہیں اور کافروں کے بھی۔ صالح مومن وہاں کسی اور کیفیت میں ہوگا، شہداء کا کچھ اور حال ہوگا، صدیقین کی کچھ اور شان ہوگی اور انبیاء و رُسل کا کچھ اور مرتبہ و مقام ہوگا۔ سیّد المرسلین نبی اکرم ﷺ عالمِ برزخ میں جس شان میں ہوں گے وہ ہمارے فہم کی حدود سے بہت اوپر ہے۔ جب ہم شہداء کی برزخی زندگی کا کوئی تصور قائم نہیں کر سکتے تو نبی اکرم ﷺ کی برزخی حیات کے بارے میں کوئی تصور کرنا ہمارے لئے قطعاً ناممکن ہے۔ اِس معاملہ میں بحث کرنا ہی دراصل اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ یہ کہنا کہ آپ ﷺ بالکل اُسی طرح زندہ ہیں جیسے کہ اِس دنیا میں زندہ تھے، ایک اعتبار سے شاید آپ ﷺ کی توہین قرار پائے۔ دنیا کی زندگی تو بہت سی ضروریات اور کمزوریوں کے ساتھ ہے۔ عالمِ برزخ میں نبی اکرم ﷺ کو جو حیات حاصل ہے وہ یقیناً اِس سے کہیں اعلیٰ اور ہمارے فہم کی سطح سے بہت بلند و بالا ہے۔

☆ آیت : 155 :

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ -- اور ہم لازماً تمہیں آزمائیں گے -- بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

وَالْجُوْعِ -- کچھ خوف سے اور بھوک سے -- وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ -- اور مال، جان اور ثمرات کے نقصان سے -- وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ اور اے نبیؐ! خوشخبری سنا دیجئے صبر کرنے والوں کو۔

- "بَلَا یَبْلُوْ" کے معنی ہیں آزمانا، جانچنا یا پرکھنا۔ لَنَبْلُوَنَّکُمْ میں نَبْلُوْ سے پہلے لامِ مفتوح (زبر والا لام) اور آخر میں نون مشدّد آیا ہے۔ عربی زبان میں یہ تاکید کا انتہائی اسلوب ہے کہ فعلِ مضارع سے قبل لامِ مفتوح اور آخر میں نونِ مشدّد کا اضافہ کر دیا جائے۔ چنانچہ "لَنَبْلُوَنَّکُمْ" کا ترجمہ ہوگا "ہم لازماً آزمائیں گے تمہیں"۔ گویا اللہ کی طرف سے خبردار کیا جا رہا ہے کہ تمہیں ضرور آزمائشوں میں مبتلا کیا جائے گا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تمہیں اللہ، اُس کے رسول ﷺ، آخرت اور دینِ اسلام کی حقانیت پر کس درجہ میں یقین ہے۔ اللہ کی راہ میں اگر تم آئے ہو تو پوری وفاداری کے ساتھ آئے ہو یا کچھ تحفظات (Reservations) کے ساتھ آئے ہو؟
- اِس آیت میں اُن مصائب کا ذکر ہے جو غلبۂ دین کی جدوجہد کے دوران سامنے آتے ہیں، ورنہ عام مشکلات و مصائب غیر اختیاری طور پر ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ جو مسلمان صرف عقائد، عبادات اور رسومات ہی کی حد تک اسلام پر عمل پیرا ہیں، اِس آیت کے مضامین اُنہیں غیر متعلق محسوس ہوں گے کیوں کہ محض عبادات و رسومات کی ادائیگی میں اِس طرح آزمائشیں نہیں آتیں۔
- اِس آیت میں لَنَبْلُوَنَّکُمْ کے بعد "بِشَیْءٍ" کے لفظ میں تسلی کا پہلو موجود ہے یعنی ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ امتحان سے۔ بظاہر امتحانات بڑے کٹھن محسوس ہوتے ہیں۔ ایک بار تو انسان دہل کر رہ جاتا ہے، لیکن اگر وہ ثابت قدم رہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں تھا۔ بظاہر ایک خوفناک صورتِ حال سامنے آتی ہے لیکن اگر انسان ڈٹا رہے تو پتہ چلتا ہے کہ بس ایک ریلا تھا حالات کا، آیا اور گزر گیا۔ دیکھئے

والے اس آزمائش کی ظاہری شدت سے متاثر اور مرعوب ہوں گے لیکن صبر وثبات کے ساتھ اس آزمائش سے گزرنے والوں کو یوں محسوس ہوگا کہ جیسے بڑی ہی ہلکی سی کوئی بات تھی کہ جو ہوگئی۔

- یہ آیت مدنی دور کے بالکل آغاز میں نازل ہوئی۔ جب ہم مدنی دور کے دس سالوں میں پیش آنے والے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو اس آیت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ مدنی دور میں وقفے وقفے سے وہ آزمائشیں سامنے آتی رہیں جن کا نقشہ ایک پیشگی تنبیہ کے طور پر ان آیات میں کھینچ دیا گیا ہے۔ مدنی دور میں بار بار دشمنوں اور منافقین کی طرف سے خوف و خدشات کے امتحانات بھی آئے، بھوک، پیاس اور فاقہ کشی کی نوبتیں بھی آئیں، مال اور جان کی بازیاں بھی لگانی پڑیں اور ثمرات کا نقصان بھی اٹھانا پڑا۔
- "ثمرات" کا لفظ یہاں بہت ہی قابلِ توجہ ہے۔ ثمرات کا عام مفہوم لیا گیا ہے پھل۔ اس اعتبار سے ترجمہ یہ بنتا ہے کہ پھل ضائع ہو جائیں گے۔ مدینہ منورہ کے مخصوص معاشرتی پس منظر میں یہ مفہوم بجا طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ اہلِ مدینہ بنیادی طور پر کاشتکار تھے یعنی زراعت اُن کا پیشہ تھا۔ زراعت کے میدان میں جو محنت بھی کی جاتی ہے، ہل چلایا جاتا ہے، آبیاری کی جاتی ہے، کھیتی یا درختوں کی حفاظت کی جاتی ہے، اس ساری محنت کا ثمر وہ فصل ہے جو آخر میں کاٹی یا اتاری جاتی ہے۔ اگر فصل اجڑ جائے تو نقصان بہت شدید ہوتا ہے اور یہ آزمائش کی ایک کٹھن صورت ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر حکم دیا گیا کہ تیار فصلوں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے نکلو۔ وقت پر فصلیں اتاری نہ جاسکیں اور ضائع ہوگئیں۔

وسیع مفہوم کے اعتبار سے "ثمرات" انسان کی محنت کا حاصل ہے، خواہ یہ محنت کسی بھی میدان میں ہو۔ کسی نے بڑی محنت کر کے کاروبار جمایا، اب دین کی طرف سے پکار آتی ہے کہ آؤ! اور صاف نظر آرہا ہے کہ دین کی طرف آنے میں کاروبار کا نقصان

ہے، تو یہ آزمائش بھی آسان نہیں ہے :

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں

دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

وہ محنت سے جمایا ہوا کاروبار، پاؤں کی بیڑی بن جاتا ہے۔ اسی طرح کسی نوجوان نے بڑا وقت لگا کر اور بڑی محنت سے کسی کیریئر میں اپنا کوئی مقام حاصل کیا ہے۔ زندگی بھر کی محنت کا فائدہ اُٹھانے کا وقت، اب نظر آ رہا ہے۔ ایسے میں دین کے تقاضے سامنے آتے ہیں۔ دین تقاضا کرتا ہے کہ آؤ اور کھپاؤ اپنے آپ کو اقامتِ دین کی راہ میں! اُس کا کیریئر اور Profession اب راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اولاد بھی انسان کا ثمرہ ہے۔ انسان کو اگر ایک درخت سے تعبیر کیا جائے تو اُس کا پھل اُس کی اولاد ہے۔ نگاہوں کے سامنے اگر اُس کی اولاد اللہ کی راہ میں قربان ہو رہی ہو تو گویا یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اُس کا ثمر اُس کی نگاہوں کے سامنے بظاہر اجڑ رہا ہے اور یہ آزمائش کی نہایت کٹھن صورت ہے۔

- بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (بشارت دیجئے صبر کرنے والوں کو) کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ صبر کوئی منفی شے نہیں بلکہ یہ ایک مثبت جذبہ ہے۔ کسی مقصد کی تکمیل کی خاطر یا کسی نصب العین اور منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کرنے کی جدوجہد میں جو تکالیف آئیں، انہیں ثابت قدمی کے ساتھ جھیلنا اور برداشت کرنا صبر ہے۔ ایسے باہمت لوگوں کو اس آیت میں بشارتوں کی نوید سنائی جا رہی ہے۔ اگلی آیت میں ان صبر کرنے والوں کے ایک نہایت اہم وصف کا ذکر ہے۔

☆ آیت : **156** :

اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ -- یہ وہ ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے --
قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿﴾ تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی

طرف ہمیں لوٹ جانا ہے۔

- اِس آیت میں فرمایا کہ صبر کرنے والے لوگ وہ ہیں کہ جب بھی کوئی مصیبت اُن پر پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ -- ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف ہم لوٹنے والے ہیں۔ اِس آیۂ مبارکہ میں دراصل ایک مومن کے تصورِ حیات کی مکمل عکاسی موجود ہے۔ اِس تصورِ حیات کے مطابق ہم اللہ کے پاس سے آئے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کے پاس واپس لوٹ جانا ہے۔ دنیا مسافر خانہ ہے منزل نہیں۔ ہماری منزل آخرت ہے۔ آخرت میں اچھے انجام کے لئے ہمیں اِس دنیا میں اپنے خالق کی اطاعت کرنی ہے اور اُس کے ہر فیصلہ پر راضی رہنا ہے۔ اُسی نے ہمیں حیات دی ہے اور اِس حیات میں بے شمار نعمتیں بھی۔ اگر وہ امتحان کے لئے کوئی نعمت ہم سے واپس لے لیتا ہے تو اُس کی مرضی کے آگے ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ یہاں کی ہر تکلیف عارضی ہے۔ اگر ہم صبر کریں گے تو اللہ ہمیں نہ ختم ہونے والے اجر سے نوازے گا۔
- مصیبت پر بے اختیار رونا یا مغموم ہونا صبر کے منافی نہیں۔ صبر کے منافی یہ ہے کہ انسان مایوسی کا اظہار کرے یا اللہ سے شکوہ کرے یا ناشکری کے الفاظ زبان سے نکالے۔ نبی اکرمؐ نے اپنے صاحبزادے سیدنا ابراہیم کی وفات کے موقع پر فرمایا :

"بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے اور ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کو راضی کرے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر بہت غمگین ہیں۔" (بخاری)

☆ آیت : 157 :

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ -- یہی ہیں وہ لوگ کہ جن پر اُن کے رب کی جانب سے عنایتیں اور رحمت ہے -- وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿﴾ اور یہی ہیں وہ لوگ کہ جو منزلِ مراد تک پہنچنے والے ہیں۔

٭ "صَلَوٰت" دراصل صلوٰۃ کی جمع ہے۔لغوی اعتبار سے صلوٰۃ کا مفہوم ہے اِقْبَالٌ اِلَی الشَّیْئِ یعنی کسی کی جانب متوجہ ہونا۔نماز کا مقصد ہے اللہ کی طرف رُخ کرنا،لہٰذا اصطلاحی طور پر صلوٰۃ کا لفظ نماز کے لئے آتا ہے۔اِس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ درحقیقت ایک دوطرفہ عمل ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے۔بندہ جذبۂ عبودیت کے ساتھ اپنے ربّ کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور پروردگار شفقت وعنایت کے ساتھ بندے کی جانب توجہ فرماتا ہے۔جیسے اللہ نے فرمایا :

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ (البقرۃ : 152)

"پس تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو!"

اِس کی بڑی عمدہ وضاحت ایک حدیث قدسی سے ہوتی ہے :

"اگر میرا بندہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر میرا بندہ میرا ذکر کسی محفل میں کرتا ہے تو میں اِس سے بہت اعلیٰ محفل میں اُس کا ذکر کرتا ہوں"۔(مسلم)

اِسی طرح "نصرت" کا معاملہ بھی دوطرفہ ہے :

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمدؐ :7)

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔

کچھ اِسی طرح کا معاملہ صلوٰۃ کا بھی ہے۔بندہ اگر اللہ کی طرف متوجہ ہوگا تو اللہ بھی بندے کی طرف کمالِ شفقت کے ساتھ متوجہ ہوجائے گا۔یہ مضمون سورۃ الاحزاب میں دومرتبہ آیا ہے۔آیت **43** میں تمام اہلِ ایمان کے لئے اور پھر آیت **56** میں خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کی شان میں :

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

"وہی ہے اللہ جو (اے اہلِ ایمان!) تم پر عنایتیں بھیجتا رہتا ہے اور اُس کے فرشتے

بھی تا کہ وہ تمہیں نکالے اندھیروں سے روشنی کی طرف''۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴿﴾

''بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے عنایات بھیجتے ہیں نبی علیہ ﷺ پر۔ اے اہلِ ایمان تم بھی اُن ؐ پر درود بھیجو اور سلام جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے۔''

آیت زیرِ درس میں بیان کیا گیا کہ اللہ کی عنایات اور شفقتوں کا نزول اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو مشکلات اور آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ جنہوں نے دین کو محض موروثی عقائد اور چند رسومات کا مجموعہ سمجھ کر قبول نہیں کیا بلکہ شعوری طور پر حقائق کو سمجھا، دینی ذمہ داریوں کا شعور حاصل کیا اور دین کی دعوت پر لبیک کہا۔ جنہوں نے اس حقیقت کو جانا کہ دین کے لئے جان و مال کھپانا اور اس کے غلبے کے لئے قربانیوں کا دینا ہمارے ایمان کا عین تقاضا ہے۔ پھر وہ اس راہ کے تمام امتحانوں اور آزمائشوں میں پورے اترے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر اُن کے رب کی جانب سے عنایات اور رحمتوں کا مسلسل نزول ہوتا رہے گا۔

- اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (یہی ہیں وہ لوگ جو ہدایت پر ہیں) کے الفاظ میں حصر کا اسلوب ہے یعنی ہدایت یافتہ صرف یہی لوگ ہیں۔ ہدایت کے مختلف درجات ہوتے ہیں اور ایک انسان درجہ بدرجہ ہدایت کی منزلیں طے کرتا ہے۔ گویا ہدایت ایک مسلسل عمل ہے۔ لفظ ہدایت کا اطلاق اپنے تکمیلی معنوں میں کسی کے منزلِ مراد تک پہنچ جانے کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ''یہ ہیں وہ لوگ جو منزلِ مراد تک پہنچ جانے والے ہیں''۔

سورہ ٔ البقرۃ کی ان آیات **153 تا 157** میں اہلِ ایمان کو مدنی دور کے بالکل آغاز میں آئندہ پیش آنے والے کٹھن مراحل سے پیشگی طور پر خبردار کر دیا گیا اور ساتھ ہی آگاہ کر دیا

گیا کہ جو باہمت لوگ اِن مراحل میں ثابت قدم رہیں گے، وہی اللہ کی عنایات اور رحمتوں کے حق دار ہوں گے اور منزلِ مراد تک پہنچ جانے کی سعادت حاصل کریں گے۔ آزمائشوں کا سامنا کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنے کے بعد سورہ ٔبقرۃ کے اگلے حصہ میں مسلمانوں کو ایک مشکل ترین حکم دے دیا گیا یعنی قتال فی سبیل اللہ کا حکم۔

قتال فی سبیل اللّٰہ کا مرحلہ

دینِ اِسلام کے فلسفہ ٔ اخلاق میں اعلیٰ ترین نیکی ہے قتال فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں جنگ کرنا۔سورہ صف آیت 4 میں فرمایا :

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ﴿٤﴾

"بلاشبہ اللہ تو محبت کرتا ہے اُن سے جو جنگ کرتے ہیں اُس کی راہ میں جم کر صف در صف گویا کہ وہ ہیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔"

کلمہ پڑھ کر ہم نے اللہ سے جو عہد کیا ہے اُس کا عملی تقاضا ہے قتال فی سبیل اللہ :

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ (التوبہ : 111)

"اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لئے ہیں (اور اِس کے) عوض میں اُن کیلئے جنت (تیار کی) ہے، یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل کئے بھی جاتے ہیں۔"

اِس عہد کا تقاضا ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کے مرحلہ تک پہنچنے کی بھرپور تیاری کی جائے۔نبی اکرم ﷺ نے 15 برس تک یہ تیاری کی۔دعوت کے ذریعہ ایک جماعت فراہم کی اور تربیت کے ذریعہ اُسے مستحکم کیا۔نبوت کے ظہور کے 15 برس بعد پھر بدر کے معرکہ سے قتال فی سبیل اللہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ہمیں بھی غور کرنا چاہئے کہ اِنفرادی زندگی بسر کرنے سے مرحلہ ٔ قتال کبھی نہیں آئے گا۔اِس کے لئے ضروری ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد

میں مصروف کسی جماعت سے وابستہ ہوکر فعال طریقہ سے کام کیا جائے تا کہ تحریک تصادم کے مرحلہ تک پہنچ سکے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"مَنْ مَاتَ وَ لَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ"

"جسے موت آئی اس حال میں کہ اُس نے نہ جنگ کی اور نہ اُس کے دل میں کبھی اس کی خواہش پیدا ہوئی تو گویا وہ نفاق کی ایک شاخ پر مرا۔" (مسلم)

مکی دور میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت نہ تھی۔ انہیں حکم تھا کہ ہر طنز و تشدد کو برداشت کرو اور جوابی اقدام کیے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہو۔ سورہ نساء کی آیت 77 میں اس حکم کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ

"کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا اپنے ہاتھ روکے رکھو۔"

طنز و تشدد کے جواب میں اس طرح کے طرزِ عمل کو صبرِ محض (Passive Resistance) کہتے ہیں۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے دوران مسلمانوں کو قریش کے خلاف قتال کی اجازت دی گئی:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (الحج: 39)

"اجازت دے دی گئی (جنگ کی) اُن کو جن سے (بلاوجہ) لڑائی کی جارہی ہے کیونکہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے۔"

اس کے بعد سورہ بقرۃ میں اللہ کی طرف سے قتال فی سبیل اللہ کا حکم آ گیا:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (البقرۃ: 190)

"اور جنگ کرو اللہ کی راہ میں اُن سے جو تم سے لڑتے رہے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اس کے بعد تلقین کی گئی کہ قتال کا مرحلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک فتنہ ختم نہ کر دیا جائے اور اللہ کا دین مکمل طور پر غالب کر دیا جائے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرة : 193)

''اوراُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور ہو جائے نظام اللہ کے لئے۔''

پھر جنگ کے اِس حکم سے جن لوگوں پر کچھ گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی اُنہیں خبردار کیا گیا :

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿ (البقرة : 214)

''اے مسلمانو! کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ اُن پر سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ پکار اٹھے رسولؐ اور اُن کے ساتھی اہلِ ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اُس وقت اُنہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو، اللہ کی مدد قریب ہے۔''

آخر کار سورۃ البقرۃ کی آیت 216 میں قتال کو فرض قرار دے دیا گیا :

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَـيْـــــًٔـا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿

''تم پر (اللہ کی راہ میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے خواہ وہ تمہیں ناگوار ہو، ممکن ہے تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ممکن ہے تم کسی شے کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے نقصان دہ ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اِسی سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر اُس جنگ کا تفصیلاً ذکر آیا ہے جسے بنو اسرائیل کی تاریخ میں جنگِ بدر کے قائم مقام سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ جنگ طالوت اور جالوت کے مابین ہوئی جس کے بعد بنو اسرائیل کا عروج شروع ہوا۔ بنو اسرائیل پر جب جنگ فرض کی گئی تو اُن میں سے کچھ نے بزدلی دکھائی جس پر عبرت کے طور پر وعید اِن الفاظ میں نازل ہوئی :

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿﴾

”جب اُن پر جنگ فرض کی گئی تو پھر گئے سوائے اُن میں سے چند کے اور اللہ ظالموں سے واقف ہے۔“(البقرۃ : 246)

طالوت کا ساتھ دینے والے اہلِ ایمان، تعداد اور اسباب کے اعتبار سے انتہائی کمزور تھے لیکن اُنہوں نے بڑی ہمت کے ساتھ جالوت کے لشکر کا سامنا کیا اور اللہ کی مدد سے کامیاب ہوئے۔ قرآن نے اِن کی مدح اِس طرح کی:

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿﴾ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ

”کہا اُن لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ اُنہیں اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت غالب آ گئی بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اُس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (اللہ سے) دعا کی کہ اے ہمارے رب ہمیں بھرپور استقامت عطا فرما اور ہمارے قدموں کو جما دے اور کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ تو اُنہوں (یعنی اہلِ ایمان) نے شکست دی اُن (کافروں) کو اللہ کے حکم سے۔“(البقرۃ : 249 - 251)

اِس سورۂ مبارکہ میں اِس اہم تاریخی واقعہ کا ذکر دراصل مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ اب وہی مرحلہ تمہاری تاریخ میں بھی آیا چاہتا ہے۔ یہ گویا پیشگی خبر تھی غزوۂ بدر کی۔ سن ۲ ہجری میں غزوۂ بدر سے قتال فی سبیل اللہ کے سلسلہ کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ سن ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک تک جاری رہا۔ آئندہ دروس میں ہم اِن غزوات کی تفاصیل آیاتِ قرآنی کی روشنی میں سمجھیں گے۔

منتخب نصاب حصّہ پنجم

درسِ پنجم : غزوۂ بدر

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں قتال فی سبیل اللہ کا آغاز

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ
بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا
ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٤ كَمَاۤ
اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝٥
يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ
۝٦ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ
تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٧ لِيُحِقَّ
الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٨ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ
لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى
وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠

☆ تمہیدی نکات :

۱ - منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ پنجم ''غزوۂ بدر'' کے پس منظر اور تفصیلی حالات کے بیان پر مشتمل ہے۔

۲ - نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں قتال فی سبیل اللہ یا غزوات کا سلسلہ رمضان سن ۲ ہجری سے شروع ہوکر اواخر سن ۹ ہجری تک جاری رہا۔ اس طرح یہ سلسلۂ قتال آٹھ سالوں پر محیط ہے۔ اس دوران میں بہت سے "غزوات و سرایا" ہوئے۔ سیرتِ مطہرہ کے حوالے سے غزوہ اُس جنگ کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ نے بھی بنفسِ نفیس شرکت فرمائی اور "سریہ" (جس کی جمع سرایا ہے) اُس جنگی مہم کو کہتے ہیں کہ جس کے لئے آپ ﷺ نے کوئی دستہ بھیجا لیکن خود اُس میں شمولیت نہ فرمائی۔

۳ - قرآنِ حکیم میں تمام غزوات کا ذکر نہیں ہے۔ جن غزوات کا ذکر ہے یقیناً اُن کی اہمیت کسی نہ کسی پہلو سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ گویا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد اور آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل کے حوالے سے اہم سنگ ہائے میل (Land Marks) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ غزات کہ جن کا قرآنِ حکیم میں ذکر ہے اِن میں غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ بنونضیر، غزوۂ احزاب، غزوۂ بنوقریظہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک شامل ہیں۔

۴ - قرآنِ حکیم میں غزوۂ بدر کا ذکر سورۃ الانفال میں ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پوری سورۃ ایک انتہائی مربوط خطبے کی حیثیت سے بیک وقت نازل ہوئی، اس لئے کہ اس کے اوّل و آخر کے درمیان ایک بڑا گہرا منطقی اور معنوی ربط ہے جسے ہم اس درس میں سمجھیں گے۔ منتخب نصاب کے دروس میں یہ بات پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ قرآنِ حکیم میں مکی اور مدنی سورتوں کے سات گروپ ہیں۔ اس سلسلے کے دوسرے گروپ میں چار سورتیں شامل ہیں، دو مکی اور دو مدنی۔ سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف مکی ہیں اور سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ مدنی۔ سلسلۂ غزوات کی پہلی کڑی یعنی غزوۂ بدر کا ذکر سورۃ الانفال میں ہے اور اس سلسلے کی آخری کڑی یعنی غزوۂ تبوک کا تفصیلی ذکر سورۃ التوبہ میں ہے۔ گویا کہ اِن دونوں سورتوں کو مصحف میں ساتھ رکھ کر سلسلۂ غزوات کے نقطۂ آغاز اور نقطۂ اختتام دونوں کو یکجا کردیا گیا ہے۔

مرحلۂ قتال کے آغاز کے لئے اقدامات

یہ بات سابقہ درس میں بیان کی جا چکی ہے کہ مدینہ آنے کے بعد سورہ بقرۃ کی آیت 216 میں مسلمانوں پر جنگ کا کرنا فرض کر دیا گیا :

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۶﴾

''تم پر (اللہ کی راہ میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے خواہ وہ تمہیں ناگوار ہو، ممکن ہے تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ممکن ہے تم کسی شے کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے نقصان دہ ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

قتال کے اس حکم پر عمل کے لئے نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ میں اندرونی استحکام کے لئے کچھ اقدامات فرمائے۔ مدینہ میں اُس وقت پانچ قبائل آباد تھے۔ دو عرب قبائل اوس اور خزرج اور تین یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ نبی اکرم ﷺ جب مدینے تشریف لائے تو اوس اور خزرج کی اکثریت ایمان لے آئی۔ ان میں سے کثیر تعداد اُن لوگوں کی تھی جو صدقِ دل سے ایمان لائے تھے، تاہم کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ایمان تو لے آئے تھے لیکن با دلِ ناخواستہ۔ ان میں سے کچھ ایمان لائے سردارانِ قبیلہ کے ایمان لانے کی وجہ سے اور کچھ ایمان لائے سچے مومنوں کے ساتھ رشتہ داری یا کاروباری تعلق کی وجہ سے۔ انہی میں سے بعض منافقت کے مرض کا شکار ہوئے۔ یہودی قبائل میں سے سوائے چند افراد کے کوئی ایمان نہ لایا۔ اُنہیں اس بات پر حسد تھا کہ آخری نبی ﷺ کی آمد بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسمٰعیل میں کیوں ہوئی۔ ان حالات میں نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے اندرونی استحکام کے لئے تین اقدامات فرمائے جو آپ ﷺ کی دُور اندیشی اور معاملہ فہمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں :

1 - میثاقِ مدینہ کے عنوان سے یہود کے تینوں قبائل سے معاہدات کر لئے اور انہیں پابند کر لیا کہ بیرونی حملے کی صورت میں وہ غیر جانبدار رہیں گے یا مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ یہود ان معاہدوں کی وجہ سے ایک عجیب مشکل میں گرفتار ہو گئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف شدید جذبات رکھنے کے باوجود کوئی فیصلہ کن اقدام کرنے کے قابل نہیں رہے تھے اور خود کو بے دست و پا محسوس کرتے تھے، ہاں درپردہ سازشیں انہوں نے ضرور کیں اور بعض مواقع پر مشرکینِ مکہ کو اشتعال دلا کر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی لیکن وہ براہِ راست اور کھلم کھلا نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں نہیں آ سکے۔ یہی معاہدے اُن کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئے اور انہی معاہدوں کو توڑنے کی پاداش میں وہ تینوں قبیلے باری باری اپنے انجام کو پہنچے۔ ان میں سے دو قبیلوں کو مختلف مراحل پر مدینہ بدر کیا گیا اور ایک کو تورات کے حکم کے مطابق بدعہدی کی سخت ترین سزا دی گئی کہ اُن کے تمام لڑائی کے قابل مردوں کے سر قلم کیے گئے۔

2 - تاریخِ انسانی شاہد ہے کہ مقامی اور مہاجر کا تعصب ہمیشہ فساد کی وجہ بنتا رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اندیشہ محسوس کیا کہ کہیں مدینہ میں بھی اس تعصب کی وجہ سے انتشار پیدا نہ ہو جائے یا منافقین اس تعصب کو شر انگیزی کا ذریعہ نہ بنا لیں، لہٰذا آپ ﷺ نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا کر مواخات قائم فرما دی۔ مواخات کا مقصود یہ تھا کہ جاہلی عصبیت تحلیل ہو جائے، حمیت و غیرت جو کچھ ہو وہ اسلام کے لئے ہو اور نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات مٹ جائیں۔ باہمی محبت کی بنیاد اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ انصاری صحابہؓ نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے ایثار و قربانی کی جو اعلیٰ مثالیں قائم کیں کہ قرآن نے ان کا تذکرہ اس طرح کیا:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ

خَصَاصَةٌ ۫ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾

''اور وہ لوگ جو اُن (مہاجرین) سے پہلے گھر آباد کررہے تھے (مدینہ میں) اور ایمان بسا رہے تھے (دل میں) اور جو لوگ ہجرت کر کے اُن کے پاس آتے ہیں وہ اُن سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ اُن کو ملا اِس سے اپنے دل میں کچھ خلش نہیں پاتے اور اُن کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں اور جو شخص نفس کی لالچ سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''

3- مسجدِ نبوی ﷺ کی صورت میں آپ ﷺ نے ایک مرکز تعمیر فرمایا۔ مسجدِ نبوی ﷺ محض ایک عبادت گاہ نہیں تھی بلکہ مسلمانوں کی تمام اجتماعی سرگرمیوں کے لئے ایک مرکز تھی۔ یہ مسجد محض ادائے نماز ہی کے لئے نہ تھی بلکہ ایک درس گاہ تھی جس میں مسلمانوں کے لئے تعلیم وتربیت کا انتظام تھا اور جہاں سے تبلیغی وفود روانہ کیے جاتے تھے، ایک پارلیمنٹ تھی جس میں مختلف مسائل پر مشاورت کے اجلاس ہوتے تھے، ایک انتظام گاہ تھی جہاں سے ننھی سی ریاست کا سارا نظام چلایا جاتا تھا اور جنگی مہمات روانہ کی جاتی تھیں، ایک عدالت تھی جہاں باہمی نزاعات کے فیصلے کیے جاتے تھے اور ایک استقبالیہ تھا جہاں مہمان وفود سے بات چیت ہوتی تھی۔

مدینہ کے اندرونی استحکام کے لئے مذکورہ بالا تین اقدامات کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر قتال فی سبیل اللہ کے مرحلہ کی طرف پیش قدمی کے لئے دو اقدامات کیے :

1- مکہ اور مدینہ کے درمیان آباد قبائل سے معاہدے کیے کہ وہ قریش کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ کی صورت میں غیر جانبدار رہیں گے۔ گویا آپ ﷺ نے اِن معاہدات کے ذریعہ قریش کو جنگ کی صورت میں سیاسی و عسکری اعتبار سے تنہا کر دیا۔ جدید اصطلاح میں اِسے کہیں گے Political Isolation of Quraish۔

2- قریش کی شہ رگ یعنی اُن کی تجارت کے خلاف اقدام کے طور پر اُن کے تجارتی قافلوں

کے راستوں کی نگرانی کے لئے آٹھ مہمات روانہ کیں۔ گویا قریش کے لئے یہ ایک قسم کی معاشی ناکہ بندی (Economic Blockade) تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ عمرے کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں وہ بیت اللہ کا طواف کررہے تھے کہ ابوجہل سے اُن کا سامنا ہوگیا۔ ابوجہل نے اُن سے کہا کہ ہمارے بے دین لوگوں کو تم نے پناہ دے رکھی ہے۔ اگر تم نے انہیں اپنے ہاں سے نکال باہر نہ کیا تو ہم بیت اللہ میں تمہارا داخلہ بند کردیں گے۔ اس کا فوری جواب حضرت سعدؓ نے یہ دیا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہاری مدینے کے قریب سے گزرنے والی تجارتی شاہراہ کو بند کردیں گے۔ اسی طرح کے اقدام کے طور پر یہ آٹھ مہمات بھیجی گئیں جن میں سے چار میں نبی اکرم ﷺ خود بھی شریک ہوئے۔ ان مہمات کے نام ہیں سریہ سیف البحر، سریۂ رابغ، سریۂ خرّار، غزوہ وَدّان، غزوۂ بواط، غزوۂ سفوان، غزوۂ ذی العُشَیرہ اور سریۂ نخلہ۔

غزوۂ بدر کا سبب

نبی اکرم ﷺ نے قریش کے تجارتی راستوں کی نگرانی کے لئے جو مہمات روانہ کی تھیں ان میں سے سریۂ نخلہ کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں ایک قرشی کافر مارا گیا۔ مکہ والوں کی معاشی ناکہ بندی کرنا درحقیقت پہلے ہی سانپ کو بل سے نکلنے پر مجبور کردینے کے مترادف تھا، اب اس واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ابوجہل اور اس کے پرجوش ساتھیوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کا جواز مل گیا۔ ایک اور معاملہ یہ ہوا کہ ابوسفیان کی قیادت میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام جارہا تھا۔ غزوۂ ذی العُشَیرہ کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ نے اس قافلہ کو روکنے کی کوشش کی لیکن یہ بچ کر نکل گیا۔ اب جب یہ قافلہ واپس مکہ آرہا تھا تو اس کے پاس مال واسباب کی کثرت تھی۔ ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دوسو ساڑھے کلو سونے) کی مالیت کا سازوسامان لدا ہوا تھا۔ اس کی حفاظت کے لئے صرف چالیس آدمی

تھے۔ اِس قافلہ کی واپسی کا پتہ لگانے کے لئے آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اورحضرت سعیدؓ بن زید کو مامور فرمایا تھا۔ اُنہوں نے جب قافلہ کی واپسی کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال ودولت لئے چلا آرہا ہے، اِس کو روکنے کے لئے نکل پڑو، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اِسے بطورِ غنیمت تمہارے حوالے کردے۔ آپ ﷺ نے نکلنے کولوگوں کی رغبت پرچھوڑ دیا لہٰذا صرف **313** ساتھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلے جن کے پاس دوگھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ ابوسفیان نے ہنگامی طور پر امداد کے لئے مکہ پیغام بھیجا اورمکہ سے کیل کانٹے سے لیس ہوکر ایک ہزار کالشکر مدینہ پر حملے کے لئے نکل پڑا۔

ایک مغالطہ کاازالہ :

بعض دانش وروں اور اہلِ علم نے سیرتِ طیبہ کے دوران غزوات کے معاملے میں معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا ہے کہ یہ تمام غزوات دفاعی نوعیت کے تھے، اِسلام اپنے غلبے کے لئے جنگ اورخون ریزی کے راستے کواختیار نہیں کرتا۔ یہ الزام ہم پر بڑی شدت سے مغرب نے لگایا کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا اورطعنہ دیا "بوئے خوں آتی ہے اِس قوم کے افسانوں سے"۔ ردِّعمل کےطور پر ہمارے ہاں ایک نہایت معذرت خواہانہ انداز اختیار کرلیا گیا۔ یہ انداز بالخصوص اُن طبقات نے اختیار کیا جومغرب کی مادّی اور سائنسی ترقی سے ذہنی طور پر مرعوب تھے۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ مسلمانوں کی جنگیں محض دفاعی تھیں۔ اِسلام دنیامیں عادلانہ نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ ظلم کرنے والوں کو پہلے تبلیغ کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے۔ اگر وہ ظلم سے باز نہ آئیں توپھر اُن کے خلاف طاقت استعمال کی جاتی ہے۔ برائی کو پہلے زبان سے اورپھر ہاتھ سے روکا جاتا ہے۔ مکہ والوں کوپورے تیرہ برس زبان سے سمجھایا گیا اوراُن کے ہر ظلم کو کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ (اپنے ہاتھ بندھے رکھو) کی ہدایتِ قرآنی (النساء : 77) پرعمل کرتے ہوئے برداشت کیا گیا۔ جب مشرکین ظلم میں بڑھتے چلے گئے تو اللہ کی طرف سے اُن کے خلاف جنگ کاحکم آیا اور پہلا مشرک مسلمانوں کے ہاتھوں نخلہ میں مارا گیا۔ گویا اِس معاملے میں پہل مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوئی۔

غزوۂ بدر سے قبل مشاورت

مقامِ صفراء پر نبی اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا کیل کانٹے سے لیس لشکر مدینہ کی طرف آ رہا ہے۔ اب آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ ایک طرف لشکر ہے جس میں ایک ہزار جنگجو، ہر ایک کے پاس تلوار، چھ سو زرہیں، ایک سو گھوڑے اور سات سو اونٹ ہیں۔ دوسری طرف قافلہ ہے جس کے ساتھ صرف چالیس محافظ ہیں۔ اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم قافلہ کی طرف جائیں یا لشکر کی طرف۔ چونکہ صحابہ کرامؓ جنگ کے ارادے سے تو نکلے ہی نہیں تھے اور اُن کے پاس محض دو گھوڑے، ستر اونٹ اور آٹھ تلواریں تھیں، لہٰذا اُنھوں نے مشورہ دیا کہ قافلہ کی طرف چلیں۔ یہ رائے نہ تو بزدلی کی بنیاد پر تھی اور نہ منافقت کی بنیاد پر، بلکہ جو بھی احوال واسباب تھے اُن کی بنیاد پر تھی۔ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿﴾ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿﴾

”جیسا کہ آپؐ کے رب نے آپؐ کو آپؐ کے گھر سے نکالا حق کے ساتھ جبکہ مومنین کا ایک گروہ ناخوش تھا۔ وہ آپؐ سے حق کے بارے میں اُس کے واضح ہو جانے کے بعد بحث کر رہے تھے گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں اور جب اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو گروہوں (لشکر یا قافلہ) میں سے ایک پر تمھیں فتح دے گا اور تم چاہتے تھے کہ قافلہ جو بے شان وشوکت (یعنی بے ہتھیار) ہے وہ تمھارے ہاتھ آ جائے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، تا کہ سچ کو سچ کر دے اور جھوٹ کو جھوٹ، اگرچہ مشرک ناخوش ہی ہوں۔“ (الانفال : 5 - 8)

جب صحابہ کرام نے محسوس کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی منشاء کچھ اور ہے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ نے ایمان فروز تقاریر کے ذریعہ آپ ﷺ کا ساتھ دینے کا یقین دلایا۔ اس موقع پر حضرت مقداد بن عمروؓ نے جن الفاظ کے ذریعہ اپنے جذبات کا اظہار کیا وہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ نے آپ ﷺ کو جو راہ دکھلائی ہے اس پر چلتے رہیں، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم! ہم آپ ﷺ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہی تھی:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿ (المائدۃ: 25)

''آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں''۔

بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پروردگار چلیں اور لڑیں اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ لڑیں گے۔ اُس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ﷺ ہم کو برکِ غماد تک لے چلیں گے تو ہم راستے والوں سے لڑتے بھڑتے آپ ﷺ کے ساتھ وہاں بھی چلیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اُن کے حق میں کلمۂ خیر ارشاد فرمایا اور دُعا دی۔

مذکورہ بالا تینوں حضرات مہاجرین میں سے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے معلوم کریں۔ بیعتِ عقبہ کی رُو سے انصار، مدینہ کی حد تک تو آپ ﷺ کی حفاظت کے پابند تھے لیکن اُن پر لازم نہ تھا کہ مدینے سے باہر نکل کر کسی جنگ میں آپ ﷺ کا ساتھ دیں۔ حضرت سعدؓ بن معاذ نے نبی اکرم ﷺ کی اس خواہش کو محسوس کر لیا۔ چنانچہ اُنہوں نے عرض کیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کا رُوئے سخن ہماری طرف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! اُنہوں نے کہا:

''ہم تو آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں، ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی

دی ہے کہ آپ ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں سب حق ہے اور اس پر ہم نے آپ ﷺ کو اپنی سمع وطاعت کا عہد و میثاق دیا ہے، لہٰذا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کا جو ارادہ ہے اس کے لئے پیش قدمی فرمائیے۔ اُس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ﷺ ہمیں ساتھ لے کر اس سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ کل آپ ﷺ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جواں مرد ہیں اور ممکن ہے اللہ آپ ﷺ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے جس سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ پس آپ ﷺ ہمیں ہمراہ لے کر چلیں۔ اللہ برکت دے۔''

حضرت سعدؓ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چلو اور خوشی خوشی چلو۔ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ اس وقت گویا میں قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں''۔

بدر کی شب نبی اکرمؐ کی دعا

بدر کی شب نبی اکرم ﷺ کے لئے گھاس پھوس کی ایک جھونپڑی بنادی گئی جس میں آپ ﷺ نے سجدہ کی حالت میں دُعا کی کہ:

''اے اللہ! تُو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اِسے پورا فرما دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے عہد اور تیرے وعدے کا سوال کر رہا ہوں۔ اے اللہ! کل اگر یہ لوگ یہاں شہید ہو گئے تو پھر قیامت تک تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اے میرے رب میں نے اپنی پندرہ برس کی کمائی میدان میں لا کر ڈال دی ہے۔''

اُس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ تلوار لئے پہرے پر کھڑے تھے۔ اُنہوں نے عرض کی ''اے اللہ کے رسول! بس کیجئے' بس کیجئے' یقیناً اللہ آپ ﷺ کی مدد فرمائے گا۔'' اس پر آپ ﷺ

نے سر مبارک اٹھایا اور زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے :

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿ (القمر : 45)

''اِس جمعیت کو شکست ہو کر رہے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگے گی''۔

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ دیگر صحابہؓ بھی دعائیں کر رہے تھے جن کا ذکر سورہ انفال کی آیات 9 تا 10 میں اِس طرح کیا گیا :

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿

''جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اُس نے تمہاری دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ (تسلی رکھو) ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے۔ اور اِس مدد کو اللہ نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اِس سے اطمینان حاصل کریں اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

بارانِ رحمت کا نزول

مسلمان بدر کی وادی کے جس حصہ میں تھے وہاں ریت کی وجہ سے دشواری تھی جبکہ کفار جس جگہ پر تھے وہ زمین کا حصہ سخت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بدر کی شب بارش نازل فرمائی جو مشرکین پر تو موسلا دھار برسی اور کیچڑ کی وجہ سے اُن کے لئے دشواری پیدا ہو گئی۔ مسلمانوں پر یہ بارش پھوار بن کر برسی جس سے ریت میں سختی آ گئی، زمین ہموار ہو گئی، قدم جمنے لگے، طہارت کے لئے پانی جمع کر لیا گیا اور مسلمانوں کو قلبی سکون حاصل ہوا۔ سورہ انفال آیت 11 میں اِس کا ذکر یوں ہوا :

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ

''جب اللہ تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ تمہیں اس کے ذریعے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دُور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جما دے''۔

بدر کا معرکہ

17 رمضان المبارک سن ۲ ہجری کو جب بدر کا معرکہ گرم ہوا تو اللہ کی نصرت کا ظہور ابتداء ہی سے مسلمانوں کے شاملِ حال رہا۔ اللہ نے فرشتے نازل فرمائے اور انہیں وحی کیا :

اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال : **12**)

''بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں، میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈال دیتا ہوں تو اُن کے سر مار (کر) اڑا دو اور اُن کا پور پور مار (کر توڑ) دو۔''

مسلمانوں نے آگے بڑھ بڑھ کر مشرکین پر حملے شروع کیے۔ اس دوران اللہ نے آپ ﷺ کو وحی فرمائی اور آپ ﷺ نے ایک مُٹھی کنکریوں کی قریش کی طرف پھینکی اور فرمایا : شَاهَتِ الْوُجُوْهُ چہرے بگڑ جائیں۔ مشرکین میں سے کوئی بھی نہیں تھا جس کی آنکھیں، نتھنے اور منہ اِن کنکریوں سے محفوظ رہا ہو۔ اب مسلمانوں نے بھرپور وار کیے اور قریش کے تمام بڑے بڑے سردار ہلاک ہو گئے۔ ابوجہل کو دو کمسن لڑکوں نے جہنم واصل کیا۔ اس صورتِ حال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

''تم لوگوں نے اُن (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور (اے نبیؐ)

جس وقت آپؐ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ آپؐ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔'' (الانفال :17)

ہاتھ ہے اللہ کا ، بندۂ مومن کا ہاتھ!
غالب و کارآفریں ، کار کشا، کار ساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اُس کا دل بے نیاز
اُس کی اُمیدیں قلیل، اُس کے مقاصد جلیل
اُس کی ادا دل فریب، اُس کی نگہ دل نواز

یہ معرکہ، مشرکین کی شکستِ فاش اور مسلمانوں کی فتحِ مبین پر ختم ہوا۔ اِس میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ مشرکین کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔اُن کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید کیے گئے جو عموماً قائد، سردار اور بڑی اہم حیثیت والے تھے۔

مالِ غنیمت کا مسئلہ

بدر کی جنگ کے اختتام پر مسلمانوں کا ایک گروہ نبی اکرم ﷺ کی حفاظت پر مامور رہا، ایک گروہ کفار کے تعاقب میں لگ گیا اور ایک گروہ مالِ غنیمت جمع کرنے لگا۔ اِن تینوں گروہوں میں مالِ غنیمت کے بارے میں اختلاف پڑ گیا۔ جب یہ اختلاف شِدّت اختیار کر گیا تو اللہ کی طرف سے سورۂ انفال کی پہلی ہی آیت میں ہدایت آئی :

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱﴾

''(اے نبیؐ) وہ آپؐ سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ غنیمت اللہ اور اُس کے رسول کا مال ہے تو اللہ کی نافرمانی سے بچو اور آپس میں صلح رکھو اور اطاعت کرو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اگر ایمان رکھتے ہو۔''

اس آیت میں غنیمت کے لئے انفال کا لفظ آیا ہے جو نَفَلٌ کی جمع ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں اضافی شے۔ گویا جنگ کے دوران ایک مومن کا اصل مطلوب اللہ کی رضا جوئی کے لئے حصولِ شہادت ہوتا ہے، مالِ غنیمت تو اضافی شے ہے، بقول اقبال :

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اس آیت کی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ آپ ﷺ کے حوالے کر دے۔ صحابہ کرامؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اس کے بعد اللہ نے وحی کے ذریعہ اس مسئلے کا حل نازل فرمایا۔ سورۃ انفال کی آیت **41** میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿﴾

"اور جان رکھو کہ جو چیز تم غنیمت میں سے لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اُس کے رسولؐ کا اور اہلِ قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اُس (نصرت) پر جو اللہ نے اپنے بندے ؐ پر حق و باطل میں فرق کرنے کے دن نازل فرمائی، جس دن دو جماعتیں آپس میں ٹکرا گئی تھیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

گویا مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہوگا اور بقیہ مجاہدین میں برابر برابر تقسیم ہوگا۔ البتہ مجاہدین میں سے جو اپنی سواری کا جانور لائے گا اُسے ایک حصہ سواری کا بھی دیا جائے گا۔

قیدیوں کے بارے میں فیصلہ

جب نبی کریم ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشورہ دیا کہ یہ قیدی ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ میری

رائے ہے کہ آپ ﷺ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس طرح جو کچھ ہم لیں گے وہ کفار کے خلاف ہماری قوت کا ذریعہ ہوگا۔ یہ بھی توقع ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے دے اور وہ ہمارے بازو بن جائیں۔ حضرت عمرؓ نے رائے دی کہ ہر قیدی کو اُس کے قریبی عزیز کے حوالے کر دیں تا کہ وہ اپنے ہاتھ سے اُس کی گردن اڑا کر ثابت کرے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں اور ہمارے نزدیک اہمیت خونی یا نسلی رشتوں کی نہیں بلکہ ایمان کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مزاج میں نرمی تھی اور آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے قبول فرمائی۔ اس پر اللہ کی طرف سے ناراضگی کا اظہار ان الفاظ میں ہوا:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال : 67 - 68)

”کسی نبیؐ کے لئے درست نہیں کہ اُس کے پاس قیدی ہوں، یہاں تک وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی کر لے۔ تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے ایک حکم پہلے نہ آ چکا ہوتا تو تم لوگوں نے جو کچھ لیا ہے اُس پر تم کو سخت عذاب پکڑ لیتا“۔

اللہ کی طرف سے جو حکم پہلے آ چکا تھا وہ سورۂ محمد ﷺ کی آیت 4 میں ہے :

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ڎ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا

”پس جب تم لوگ کفر کرنے والوں سے ٹکراؤ تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب اُنہیں اچھی طرح کچل لو تو جکڑ کر باندھو۔ اس کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔“

اس آیت میں ذکر تھا کہ جب لڑائی ہتھیار رکھ دے اُس کے بعد احسان کر کے یا فدیہ لے کر

قیدیوں کو رہا کر سکتے ہو۔گویا جنگ کے مکمل خاتمہ کے بعد فدیہ لینے کی اجازت دی گئی تھی۔ معاملہ war کے ختم ہونے کا تھا نہ کہ Battle کے ختم ہونے کا۔نیک نیتی سے فدیہ لینے کے حکم میں خطا ہوئی تھی لہٰذا اللہ نے عذاب ٹال دیا۔نوٹ فرمایئے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو قتال کے اس مرحلہ میں کفار کی کمر توڑنے کے لئے خون ریزی کا حکم دے رہا ہے۔کہاں قرآنِ حکیم کا یہ انقلابی انداز ہے اور کہاں مغرب سے مرعوب دانشوروں کا معذرت خواہانہ طرزِ عمل یا خانقاہی تصوراتِ نیکی۔

مرحلۂ قتال کے حوالے سے اصولی ہدایات

سورۃ الانفال تقریباً پوری کی پوری غزوۂ بدر ہی سے متعلق ہے۔ اس غزوے کے دوران جو حالات پیش آئے،اُن سب پر اللہ کی طرف سے ایک نہایت جامع تبصرہ اور مرحلۂ قتال کے حوالے سے چند اُصولی ہدایات اس سورۂ مبارکہ میں شامل ہیں۔یہ ہدایات حسبِ ذیل ہیں:

1- آیات **15** اور **16** میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿﴾

''اے اہلِ ایمان! جب میدانِ جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو اُن سے پیٹھ نہ پھیرنا اور جو شخص جنگ کے روز اس صورت کے سوا کہ جنگی تدبیر کے طور پر یا اپنی فوج میں جا ملنا چاہے،اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگے گا تو وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔''

گویا مرحلۂ قتال میں بزدلی دکھانا اپنی سابقہ نیکیوں کو برباد کرنے اور اللہ کو ناراض کرنے کا سبب ہوگا۔

اس آیت میں ایک غلط فہمی دُور کرنے کا مضمون بھی موجود ہے۔یہ غلط فہمی کچھ تجدد پسند

دانشور، مستشرقین کی تحریروں سے متاثر ہو کر پیدا کرتے ہیں۔ یہ حضرات ہجرت کے واقعہ کا ذکر Flight to Madinah یعنی ''مدینہ کی طرف فرار'' کے الفاظ سے کرتے ہیں۔ ہجرت اور فرار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نبی اکرم ﷺ مکہ سے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ جان بچا کر نہیں بھاگے تھے۔ ہجرت کا عمل بالکل ویسے ہے جیسے سورۃ الانفال کی اس آیت میں آیا ہے کہ جنگ میں پیٹھ دکھا دینا بہت بڑا جرم اور نا قابلِ معافی گناہ ہے، سوائے اس کے کہ کوئی جنگی تدبیر ہو یا یہ کہ پیچھے جو فکری ہے اُس تک پہنچ کر پھر حملہ کرنا مقصود ہو۔ تو ہجرت درحقیقت باطل کے خلاف ایک حکمتِ عملی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک متبادل مرکز (Alternate Base) کی حیثیت سے پہلے طائف کا انتخاب کیا تھا، لیکن طائف والوں کی قسمت میں یہ سعادت نہیں تھی۔ اللہ نے یہ سعادت مدینہ کے لئے رکھی تھی۔ اہلِ مدینہ چل کر گئے اور آپ ﷺ کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ جوں ہی آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت ملی، آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف کوچ فرمایا۔ یہاں آپ ﷺ کھجور کے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آرام فرمانے نہیں آئے تھے بلکہ غزوۂ بدر سے پہلے بنفسِ نفیس چار مہموں میں آپ ﷺ خود بھی تشریف لے گئے اور بدر کے معرکہ میں بھی آپ ﷺ نے بھرپور حصہ لیا۔

2- آیت **39** میں حکم دیا گیا :

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ

''اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور ہو جائے نظام کل کا کل اللہ کے لئے۔''

اس آیت میں قتال فی سبیل اللہ کا ہدف غلبۂ دین کو قرار دے کر فرمایا کہ اب تلواریں نیام میں نہ جائیں جب تک غلبۂ دین کی منزل سر نہ کر لی جائے۔

3- آیات **45** اور **46** میں ہدایات دی گئیں :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ

تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ
رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

''مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ مراد حاصل کر سکو۔ اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا رعب جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اللہ کی مدد کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ میدانِ جنگ میں ثابت قدمی دکھائی جائے، اللہ کو یاد رکھا جائے کیونکہ بھروسہ اسباب پر نہیں اللہ پر ہے اور نظم کی پابندی کی جائے۔

4 - آیت **58** میں ارشاد ہوا:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ﴿۵۸﴾

''اور اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا خوف ہو تو (اُن کا عہد) اُنہی کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا''۔

اِس آیت میں ہدایت دی گئی کہ اگر دشمن کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو تو پھر علی الاعلان معاہدہ توڑ دو اور پھر کوئی کاروائی کرو۔ یہ جائز نہیں کہ اوپر سے معاہدہ ہو اور اندرخانہ سازشیں کی جارہی ہوں۔

5 - آیت **60** میں ہدایت ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ
عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

''اور جہاں تک ممکن ہو سکے فراہم کرو قوت اور سدھائے ہوئے گھوڑے، ڈراؤ ان کے ذریعہ سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو''۔

اس آیت کی رُو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ عسکری صلاحیت اور ٹیکنالوجی حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

6 - مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ باہمی محبت کا معیار رشتہ ٔ ایمان اور دین کے لئے ایثار و قربانی کو بناؤ نہ کہ خونی اور نسلی تعلقات کو۔ آیت **72** میں ارشاد ہوا :

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا

''جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے وہ اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور اُن کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تمہاری اُن سے کوئی رفاقت نہیں۔''

آگے آیت **73** میں فرمایا :

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾

''اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔''

اگر دوستی اور محبت کا معیار ایمان نہ ہو اور نسلی یا کسی اور تعلق کی بنیاد پر کافروں کے لئے نرم گوشہ ہو تو کفار کے خلاف جنگ میں بھرپور وار نہ ہو سکے گا اور گویا زمین سے ظلم و فساد کو مٹانا ممکن نہ ہوگا، بقول جگر مراد آبادی :

میں زخم بھی کھاتا جاتا ہوں، قاتل سے بھی کہتا جاتا ہوں
توہین ہے دست و بازو کی، وہ وار کہ جو بھرپور نہیں

7 – سورۃ الانفال کے آغاز یعنی آیات 2 تا 4 اور اس سورۃ کے اختتام یعنی آیت 74 میں بندۂ مومن کی تصویر کے دو رُخ بیان کیے گئے ہیں :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿﴾ (الانفال : 2 - 4)

”مومن تو بس وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل لرز اُٹھیں اور جب اُنہیں اُس کی آیات پڑھ کر سنائی جائیں تو اس سے اُن کے ایمان میں اضافہ ہو جائے، اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ وہ جو کہ نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس میں سے لگاتے اور کھپاتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جو حقیقتاً مومن ہیں۔ اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس اعلیٰ درجات اور بخشش اور نہایت اعلیٰ رزق ہے۔“

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿﴾ (الانفال : 74)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے اُن کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی، یہی سچے مومن ہیں، اُن کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔“

ابتدائی آیات میں بندۂ مومن کی تصویر کا وہ رُخ بیان ہوا جس کا تعلق باطنی کیفیات کے ساتھ ہے۔ ایمانِ حقیقی جب دل میں راسخ ہو جائے تو اس سے دل میں اللہ کی عظمت اور جلال کا اثر قائم ہو جاتا ہے قرآن کی تلاوت انسان کے ایمان کو اور تقویت دیتی ہے، اب ایسے انسان کا کل بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے، وہ اللہ سے تعلق کو مضبوط کرنے کے لئے نماز پڑھتا ہے اور اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔

آیت 74 میں بندۂ مومن کی تصویر کا خارجی رخ یہ بیان ہوا کہ وہ اللہ کے دین کے غلبے

کے لئے قربانیاں دے رہا ہوتا ہے یعنی صبر، ہجرت، جہاد اور قتال کے مراحل طے کر رہا ہوتا ہے۔ بندہ' مومن کی شخصیت کے یہ دونوں پہلو صحابہ کرامؓ کے سیرت و کردار میں بہت نمایاں تھے۔ اس حقیقت کی گواہی جنگ قادسیہ میں ایک ایرانی جاسوس نے ان الفاظ میں دی کہ "هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَ فُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ" (وہ رات کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار)۔

معرکہ' بدر ...... یومُ الفرقان

اللہ تعالیٰ نے یوم بدر کو سورہ' انفال کی آیت **41** میں یوم الفرقان یعنی حق وباطل کے مابین تمیز والا دن قرار دیا۔ اسی سورۃ کی آیت **19** میں کفار کو خبردار کیا گیا:

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾

"(کافرو) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارے پاس فیصلہ آ چکا۔ اگر اب بھی تم باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر پھر وہی کچھ (یعنی سرکشی) کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کچھ کریں گے (جو بدر میں کیا) اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور اللہ تو مومنوں کے ساتھ ہے۔"

بدر کا دن واقعی یوم الفرقان بن گیا۔ اس دن کی شاندار فتح سے مسلمانوں کا حوصلہ یقیناً بہت بلند ہوا۔ پورے علاقے پر مسلمانوں کا دبدبہ قائم ہو گیا۔ کفار کے ایک ہزار کے کیل کانٹے سے لیس لشکر کو اُن تین سو تیرہ بے سر و سامان مسلمانوں کے ہاتھوں عبرت ناک شکست ہوئی جن میں سے اکثر کے پاس مقابلہ کے لئے صرف درختوں کی ٹہنیاں تھیں۔ ان کی اکثریت اُن انصار پر مشتمل تھی کہ جن کو قریش جنگجو قوم ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے بارے میں قریش مکہ کا یہ خیال تھا کہ یہ کاشت کار لوگ ہیں، لڑنے بھڑنے سے انہیں کیا سروکار۔

مسلمانوں کے صرف 14 جانباز شہید ہوئے اور کوئی ایک قیدی نہ بنا جبکہ کفار کے 70 افراد مارے گئے اور 70 ہی قیدی بنے۔ ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف اور عاص بن ہشام جیسے بڑے بڑے سردار کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی مانند میدانِ بدر میں پڑے تھے۔ قریش کی قیادت غارت ہوگئی اور اُن کی کمر پہلے ہی معرکہ میں ٹوٹ گئی۔ اس طرح ہجرت کے دو ہی سال بعد صورتِ حال ایک دم اس طرح تبدیل ہوگئی کہ مسلمانوں کی مظلومیت کا دور ختم ہوا اور اُن کا رعب پورے علاقے پر بیٹھ گیا۔ اس فتح وکامرانی کی بدولت دعوتِ توحید اور اسلامی تحریک کی انقلابی جدوجہد کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ پورے عرب پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حق پر کون ہے اور اللہ کی نصرت وحمایت کس کے ساتھ ہے۔

اللہ کی ایسی نصرت اب بھی مسلمانوں کو حاصل ہوسکتی ہے مگر اس کے لئے اصحابِ بدر جیسا کردار، حوصلہ اور ہمت درکار ہے، بقول اقبال :

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

منتخب نصاب حصّہ پنجم

درسِ ششم : غزوۂ اُحد

کفر و اسلام کا دوسرا بڑا معرکہ — عارضی شکست اور شدید آزمائش

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿121﴾
اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿122﴾

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿139﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ
فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿140﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿141﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿142﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ
اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿143﴾

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى
الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ
يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿152﴾

☆ تمہیدی نکات :

۱ - منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ ششم "غزوۂ اُحد" کے پس منظر اور تفصیلی حالات کے بیان پر مشتمل ہے۔

۲ - غزوۂ اُحد شوال سن ۳ ہجری میں ہوا۔ یہ غزوہ بعض اعتبارات سے نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں بعض ایسے واقعات پیش آئے جن کے بہت دُور رس نتائج نکلے۔ سورۂ آلِ عمران کی آیات **121 تا 180** میں اس غزوہ کے حالات وواقعات پر نہایت بھرپور تبصرہ موجود ہے۔ ان میں سے چند آیات کی روشنی میں ہم اس غزوہ کی تفصیلات اور اس ضمن میں دی جانے والی ہدایات کو سمجھیں گے۔

۳ - اُحد کا معرکہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس موقع پر مسلمانوں میں نفاق کا مرض پہلی بار نمایاں ہو کر سامنے آیا۔ مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک تہائی فراد رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی قیادت میں علیحدہ ہو گئے۔ یہ بات اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے کہ مدینہ میں اوس اور خزرج کے قبائل کی اکثریت صدقِ دل سے نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئی تھی۔ البتہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ایمان تو لے آئے تھے لیکن بادلِ ناخواستہ۔ عبداللہ بن اُبی انہی میں سے تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ اُس کی سیاسی سمجھ بوجھ کے سب معترف تھے اور اُسے ایک بڑا سردار تسلیم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی مدینہ آمد سے کچھ ہی عرصہ قبل اوس اور خزرج کے مابین اس بات پر اتفاقِ رائے ہو چکا تھا کہ عبداللہ بن اُبی کو بادشاہ مان کر مدینے میں باقاعدہ ایک بادشاہی نظام حکومت قائم کر دیا جائے۔ عبداللہ بن اُبی کے لئے تاج بھی تیار ہو چکا تھا، لیکن جب نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو خورشیدِ رسالت کے طلوع ہونے کی وجہ سے عبداللہ بن اُبی کی بادشاہت کا امکان ختم ہو گیا۔ وہ اندر ہی اندر غصہ اور حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ پھر بدر کی فتح سے پہلے تک تو معاملہ یہ تھا کہ جو ایمان لاتا تھا وہ جانتا تھا کہ دعوتِ اسلام قبول کرنے سے اُس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی، کن کن

خطرات سے دوچار ہونا پڑے گا اور کیسے کیسے مصائب وشدائد سے سابقہ پیش آئے گا۔ بدر کی فتح سے صورتِ حال بدل گئی اور اب کچھ کچے، ناپختہ اور کمزور ارادے کے حامل لوگ بھی آکر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہوگئے۔ یہ لوگ بعد ازاں منافقت کے مرض کا شکار ہوگئے۔ اِن کی منافقت اور عبداللہ بن اُبی کا خبثِ باطن پہلی بار اُحد کے موقع پر ظاہر ہوا اور یہ سب تین سو کی تعداد میں اسلامی لشکر سے علیحدہ ہوکر چلے گئے۔

غزوۂ اُحد کا سبب

غزوۂ بدر میں قریش کو عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اُن کے ستر افراد مارے گئے، جن میں بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے اور ستر افراد ہی قید ہوئے۔ قریش کے تکبر کا سر ٹوٹ گیا اور اُن کی عزت بری طرح سے خاک میں مل گئی۔ انتقام کی آگ قریش کے سینوں میں بھڑک اُٹھی اور اُنہوں نے شکست کا بدلہ لینے کے لئے بھرپور تیاری شروع کردی۔ اُنہوں نے اسباب کی فراہمی کے لئے ایک تجارتی قافلہ نجد کے راستہ شام کی طرف روانہ کیا لیکن مسلمانوں کے ایک دستہ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں چھاپہ مار کارروائی کر کے اُس کے تمام ساز وسامان پر قبضہ کرلیا۔ اِس ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے ابوسفیان نے دو سو گھڑ سواروں کے ساتھ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے اونٹوں کو ہانک کر مکہ لے جانے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور قریش کو اپنا سامان پھینک کر فرار ہونا پڑا۔ اِن واقعات نے قریش کی آتشِ انتقام کو عروج پر پہنچا دیا اور وہ شوال سن ۳ ہجری میں تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مدینے پر حملہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مردوں کی غیرت وحمیت کو جگانے کے لئے پندرہ عورتیں بھی اِن کے ساتھ تھیں۔ لشکر میں تین ہزار اونٹ تھے اور رسالے کے لئے دو سو گھوڑے تھے۔ حفاظتی ہتھیاروں میں سات سو زرہیں تھیں۔

غزوۂ اُحد سے قبل مشاورت

لشکر کی آمد کی خبر سن کر نبی اکرم ﷺ نے مشاورت طلب فرمائی۔ آپ ﷺ نے ساتھیوں

سے دریافت فرمایا کہ مدینہ میں محصور ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے یا کھلے میدان میں نکل کر؟ آپ ﷺ کی رائے تھی کہ مدینے سے باہر نہ نکلیں بلکہ شہر کے اندر ہی قلعہ بند ہو جائیں۔ اب اگر مشرکین اپنے کیمپ میں مقیم رہتے ہیں تو یہ بے مقصد قیام ہوگا اور اگر مدینے میں داخل ہوتے ہیں تو مسلمان گلی کوچے کے ناکوں پر اُن سے جنگ کریں گے اور عورتیں چھتوں کے اوپر سے اُن پر خشت باری کریں گی۔ عبداللہ بن اُبی نے بھی اِسی رائے سے اتفاق کیا۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جنگ سے دُور بھی رہے اور کسی کو اِس کا احساس بھی نہ ہو۔ لیکن اللہ نے چاہا کہ یہ شخص اپنے ساتھیوں سمیت پہلی بار سرِ عام رسوا ہو، اُس کے نفاق پر پڑا ہوا پردہ ہٹ جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اُن کی آستین میں کتنے سانپ رینگ رہے ہیں۔

صحابہ کرامؓ میں سے اُن لوگوں نے جو بدر میں شرکت نہ کر سکے تھے مشورہ دیا کہ ہمیں میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ خاص طور پر اُن نوجوانوں نے جن کے دل جذبۂ جہاد سے معمور تھے اور جو شوقِ شہادت سے بے تاب ہو رہے تھے، اپنی اِس رائے پر اصرار کیا کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم تو اِس دن کی تمنا کیا کرتے تھے اور اللہ سے اِس کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے اور میدان میں نکلنے کا وقت آ گیا ہے تو پھر آپ ﷺ دشمن کے مدِ مقابل ہی تشریف لے چلیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ڈر گئے ہیں''۔

جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر
جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

نبی اکرم ﷺ نے اکثریت کے اصرار کے سامنے اپنی رائے ترک کر دی اور آخری فیصلہ یہی فرمایا کہ ہم مدینے سے باہر نکل کر کھلے میدان میں کفار کا مقابلہ کریں گے۔ اِس کے بعد جب آپ ﷺ جنگ کے لئے تیار ہو کر نکلے تو آپ ﷺ نے نیچے اوپر دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ اِس سے محسوس ہوا کہ سخت مقابلہ کا اندیشہ ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت سعد بن معاذؓ اور اُسید بن حُضیرؓ نے لوگوں سے کہا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو میدان میں نکلنے پر زبردستی آمادہ کیا ہے۔ ہمیں معاملہ آپ ﷺ ہی کے حوالے کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر لوگوں نے ندامت محسوس

کی اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ اگر آپ ﷺ کو یہ پسند ہے کہ مدینے میں محصور ہو کر لڑیں تو آپ ﷺ ایسا ہی کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی نبی جب اپنا ہتھیار پہن لے تو مناسب نہیں کہ اُسے اتارے جب تک اللہ اُس کے اور اُس کے دشمن کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے''۔ آپ ﷺ کے ساتھ جو لشکر نکلا اُس میں ایک ہزار افراد تھے جن میں ایک سو زرہ پوش اور پچاس شہسوار تھے۔

منافقین کا فرار

اسلامی لشکر نے مدینہ سے نکل کر ایک مقام ''شوط'' پر پہنچ کر فجر کی نماز پڑھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں دشمن بہت قریب تھا اور دونوں لشکر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اِس مقام پر عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ ہماری رائے نہیں مانی گئی اور کھلے میدان میں مقابلہ کا فیصلہ کیا گیا ہے لہٰذا ہم ساتھ نہیں دے سکتے۔ یقیناً اِس علیحدگی کا سبب وہ نہیں تھا جو اُس نے ظاہر کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اِس نازک موڑ پر الگ ہو کر اسلامی لشکر میں ایسے وقت اضطراب اور کھلبلی مچانا چاہتا تھا جب دشمن اِس کی ایک ایک نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ اُس کا منصوبہ تھا کہ تین سو افراد کی علیحدگی سے نبی ﷺ کے مخلص ساتھیوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے اور دوسری طرف اِس منظر کو دیکھ کر دشمن کی ہمت اور حوصلے بلند ہوں گے۔ اِس طرح نبی ﷺ اور اُن کے مخلص ساتھیوں کا خاتمہ ہو جائے گا جس کے بعد اِس منافق کی سرداری و سربراہی کے لئے میدان صاف ہو جائے گا۔

قریب تھا کہ یہ منافق اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا، کیوں کہ مزید دو جماعتیں یعنی قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ بھی ہمت ہار رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اِن کی دستگیری فرمائی اور یہ دونوں جماعتیں استقامت کے ساتھ ڈٹی رہیں۔ قرآنِ حکیم نے عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھ چلے جانے والے منافقین سے بیزاری کا یہ معاملہ کیا کہ اُن کا ذکر ہی نہیں کیا۔ البتہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ کا ذکر اِن الفاظ میں کیا :

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿ (آل عمران : 122)

''جب تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا کہ ہمت ہار جائیں اور اللہ اُن کا پشت پناہ تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے''۔

اب نبی اکرم ﷺ سات سو ساتھیوں کو لے کر دامنِ اُحد میں مورچہ بند ہوئے۔

میدانِ اُحد میں مورچہ بندی

نبی اکرم ﷺ نے میدانِ اُحد میں پہنچ کر لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم فرمائی۔ اللہ نے اس کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا :

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿ (آل عمران : 121)

''اور جب آپ ﷺ صبح کو اپنے گھر سے روانہ ہو کر ایمان والوں کو لڑائی کے لئے مورچوں پر متعین فرما رہے تھے اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے''۔

آپ ﷺ میدانِ اُحد میں دشمن کے آنے کے بعد تشریف لائے تھے لیکن آپ ﷺ نے اپنے لشکر کے لئے وہ مقام منتخب فرمایا جو جنگی نقطۂ نظر سے بہترین مقام تھا۔ آپ ﷺ نے اُحد پہاڑ کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو محفوظ کرلیا۔ بائیں بازو پر پہاڑ میں ایک درہ تھا جس سے حملہ کر کے دشمن مسلمانوں کی پشت پر پہنچ سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس درہ پر حضرت عبداللہؓ بن جبیر کی قیادت میں پچاس ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرمادیا اور انہیں ہدایت دی کہ ''اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے نوچ رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دے دی ہے اور انہیں کچل دیا ہے، تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں'' (بخاری)۔

لشکر کے پڑاؤ کے لئے آپ ﷺ نے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی تاکہ اگر خدانخواستہ شکست ہو

تو بھاگنے اور تعاقب کرنے والوں کی قید میں جانے کے بجائے کیمپ میں پناہ لی جا سکے اور اگر دشمن کیمپ پر قبضے کے لئے پیش قدمی کرے تو اُسے نہایت سنگین نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے دشمن کو اپنے کیمپ کے لئے ایک ایسا نشیبی مقام قبول کرنے پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ غالب آجائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ نہ اُٹھا سکے اور اگر مسلمان غالب آجائیں تو وہ تعاقب کرنے والوں کی گرفت سے بچ نہ سکے۔ مورچہ بندی کا یہ منصوبہ بڑی باریکی اور حکمت پر مبنی تھا جس سے نبی اکرم ﷺ کی عسکری صلاحیت اور عبقریت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس منصوبہ بندی کے ذریعہ ساتھیوں کی تعداد کی کمی کا ازالہ فرما دیا۔

مسلمانوں کی ابتدائی فتح اور پھر شکست

جوں ہی معرکہ کا آغاز ہوا، مسلمانوں کو پہلے ہی ہلے میں فتح حاصل ہو گئی۔ مسلمان کفار کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن عین اُس وقت جب کہ یہ مختصر سا اسلامی لشکر اہلِ مکہ کے خلاف تاریخ کے اوراق پر ایک اور شاندار فتح ثبت کر رہا تھا جو اپنی تابناکی میں جنگِ بدر کی فتح سے کسی طرح کم نہ تھی، درہ پر متعین تیر اندازوں کی اکثریت نے ایک خوفناک غلطی کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور فتح ایک وقتی شکست میں بدل گئی۔ قرآنِ حکیم میں اس کا نقشہ یوں کھینچا گیا:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰٮكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿ (آل عمران: 152)

”اور اللہ نے تو تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم کافروں کو اُس کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ تم ڈھیلے پڑ گئے اور تم نے نظم کے معاملہ میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی، اس کے بعد جب اللہ نے تم کو وہ دکھا دیا جسے تم پسند کرتے تھے (یعنی فتح)۔ تم میں سے کچھ طلب گار تھے دنیا

کے اور کچھ آخرت کے۔ پھر اللہ نے پھیر دیا تمہیں اُن سے تا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے اور اُس نے تمہیں معاف کردیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔''

درہ پر موجود تیر اندازوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی ہے تو اُن سے صبر نہ ہوا اور اُنہوں نے اپنے امیر حضرت عبد اللہؓ بن جبیر سے درہ خالی کرنے کی اجازت مانگی۔ حضرت عبد اللہؓ بن جبیر نے فرمایا کہ جب تک ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں بلایا ہم یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ لیکن چالیس ساتھیوں نے اپنے امیر کی بات نہ مانی اور درہ سے نیچے اتر آئے۔ قریش کے رسالہ کے سردار خالد بن ولید نے (جو بعد میں ایمان لائے) درہ خالی دیکھا تو وہاں سے حملہ کردیا۔ حضرت عبد اللہؓ بن جبیر اور ان کے نو ساتھی شہید ہوگئے اور قریش نے مسلمانوں پر پشت سے زوردار حملہ کردیا۔ اب مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی اور مسلمانوں کو شدید نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمان گھبرا کر پہاڑوں پر چڑھنے لگے جبکہ نبی اکرم ﷺ انہیں پکار پکار کر واپس بلا رہے تھے:

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ (آل عمران: 153)

''جب تم اُوپر چڑھے جاتے تھے اور پیچھے مڑ کر کسی کو نہ دیکھتے تھے جبکہ رسولؐ تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے تو اللہ نے تمہیں غم پر غم پہنچایا تا کہ تمہیں رنج نہ ہو اُس کا جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے یا اُس مصیبت کا جو تم پر واقع ہو۔''

غم پر غم کی صورت یہ تھی کہ ہر کچھ دیر بعد کسی ساتھی کی شہادت کی خبر ملی اور مجموعی طور پر ستر صحابہؓ شہید ہوگئے جن میں حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب اور حضرت مصعبؓ بن عمیر بھی شامل تھے۔

صدمات کی کثرت ہو تو انسان ان کا عادی ہوجاتا ہے اور زیادہ تاثر نہیں لیتا:

رنج سے خوگر ہوا انساں، تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

عقب سے قریش کے اس حملے میں خود نبی کریم ﷺ بھی شہادت سے بال بال بچے۔ آپ ﷺ کی حفاظت پر سات انصاری اور دو قرشی صحابہؓ مامور تھے۔ جب حملہ آور آپ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو انہیں ہم سے دفع کرے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا؟'' اس کے بعد ایک ایک کر کے ساتوں انصاری صحابیؓ شہید ہو گئے۔ اب آپ ﷺ کے ہمراہ صرف دو قرشی صحابی یعنی حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص رہ گئے۔ یہ لمحہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے لئے نہایت ہی نازک ترین لمحہ تھا۔ مشرکین نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اُنہوں نے تابڑتوڑ حملے کیے اور چاہا کہ آپ ﷺ کو شہید کر دیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے آپ ﷺ کے مبارک چہرے پر پتھر مارا جس سے آپ ﷺ کا نچلا دانت ٹوٹ گیا اور آپ ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ افواہ پھیل گئی کہ آپ ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ یہ افواہ سن کر اکثر مسلمانوں کی ہمتیں جواب دے گئیں اور وہ شدید مایوس ہو کر منتشر ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرزِ عمل پر مسلمانوں کی سخت سرزنش فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿﴾ (آلِ عمران: 144)

''اور محمد ﷺ نہیں ہیں مگر ایک رسولؐ۔ اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں۔ تو بھلا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ (یعنی مرتد ہو جاؤ) گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ اپنے شکرگزار بندوں کو عنقریب جزا عطا فرمائے گا۔''

یہی وہ آیت ہے جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کے وصال کے موقع پر تلاوت فرمائی تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کا صدمہ صحابہ کرامؓ کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ حضرت عمر

فاروقؓ ننگی تلوار لے کر آ گئے کہ جس نے کہا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے، میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اِس صورتِ حال کو سنبھالا۔ اُنہوں نے لوگوں کو جمع فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا :

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْ مَاتَ

وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ (بخاری)

''پس جو کوئی بھی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہوگیا اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جس پر کبھی موت وارد ہونے والی نہیں''۔

یہ اُصولی بات ارشاد فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے اِس آیت کی تلاوت فرمائی :

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿﴾

اِس خطبہ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی گردن جھکتی چلی گئی اور آپؓ نے تلوار کو نیام میں ڈال لیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔ اِس خطبہ سے یہ عمومی رہنمائی ملتی ہے کہ شخصیات سے محبت اور احسان مندی کے جذبات ضروری ہیں لیکن اللہ کی رضا اور اُس کی بندگی کے مشن کو ہمیشہ مقدم رکھنا چاہیئے۔

اُحد کے میدان میں نبی اکرم ﷺ کو جو تکلیف دیکھنی پڑی اُس کی حکمت یہ تھی کہ اُمت پر ظاہر ہو جائے کہ آپ ﷺ نے غلبۂ دین کی جدوجہد خالص انسانی سطح پر کی اور یہ ہم سب کے لئے قابلِ اتباع ہے۔ اگر آپ ﷺ محض دعاؤں اور معجزات کے ذریعہ اقامتِ دین کی منزل سر کر لیتے تو پھر ہمارے لئے آپ ﷺ کی سیرت اُسوہ فراہم نہ کرتی۔

میدانِ اُحد میں بیہوشی کے کچھ ہی دیر بعد آپ ﷺ دوبارہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ساتھیوں نے آپ ﷺ کے زندہ وسلامت ہونے کی خوشخبری سنائی۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے گرد جمع ہونا

شروع ہوئے اور مشرکین نے بھی آپ ﷺ پر مزید حملے کیے۔ایک مشرک نے آپ ﷺ کے کندھے پر تلوار ماری۔ دُہری زرہ کی وجہ سے آپ ﷺ محفوظ رہے لیکن آپ ﷺ ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک اِس وار کی تکلیف محسوس کرتے رہے۔ اِس کے بعد اُس بدبخت نے تلوار کا ایک اور وار کیا جو آنکھ سے نیچے اُبھری ہوئی ہڈی پر لگا اور اِس کی وجہ سے سر کے خود کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں۔حضرت ابوعبیدہؓ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اُنھوں نے اپنے دانتوں سے آپ ﷺ کے رخسار مبارک سے خود کی کڑیاں نکالیں اور اِس دوران اُن کے اپنے دو دانت شہید ہوگئے۔آپ ﷺ کے چہرے سے بھی خون کا فوارہ نکلا اور آپ ﷺ کا چہرہ خون آلود ہوگیا۔آپ ﷺ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جارہے تھے اور کہتے جارہے تھے: ''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کردیا حالانکہ وہ اُنہیں اللہ کی طرف بلاتا تھا''۔اِس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

''اختیار آپ کو نہیں، اللہ چاہے تو اُنہیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں''۔(آلِ عمران : 128)

ہدایت اور فوز و فلاح کا اختیار صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔وہ خالدؓ بن ولید جن کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی تھی، اللہ کی توفیق سے نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ خود نبی اکرم ﷺ نے اُن کے بارے میں فرمایا خَالِدٌ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ (خالدؓ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں)۔

جن صحابہ کرامؓ نے قریش کے اِس عقبی حملے کو پسپا کرنے میں انتہائی بہادری کا ثبوت دیا اور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت میں حصہ لیا اُن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ بن عبید، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت سہلؓ بن حنیف، حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ، حضرت مالکؓ بن سنان، حضرت قتادہؓ

بن نعمان اور حضرت ابو دجانہؓ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔
آخر کار نبی اکرم ﷺ ساتھیوں سمیت پہاڑ پر چڑھ گئے اور مشرکین پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ مشرکین نے محسوس کیا کہ اب مزید ٹھہرنے سے ہمارا نقصان زیادہ ہوگا لہٰذا وہ مکہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔ بعد ازاں مسلمان بھی شہداء کی تدفین کے بعد مدینہ لوٹ آئے۔

مشرکین کا تعاقب

نبی اکرم ﷺ کو یہ احساس تھا کہ قریش نے مکہ کی طرف واپسی کا فیصلہ کر کے عسکری اعتبار سے غلطی کی ہے۔ اس سے پہلے کہ اُنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو ہمیں اُن کا تعاقب کرنا چاہیئے۔ آپ ﷺ نے معرکہ اُحد کے دوسرے دن علی الصباح اعلان فرمایا کہ دشمن کے مقابلے کے لئے چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی آدمی چل سکتا ہے جو معرکہ اُحد میں موجود تھا۔ صحابہ کرامؓ اگرچہ زخموں سے چُور، غم سے نڈھال اور اندیشہ وخوف سے دوچار تھے، لیکن سب نے سرِ اطاعت خم کر دیا۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ یہاں آپ ﷺ نے تین روز قیام فرمایا۔ ابو سفیان نے قبیلہ عبد القیس کے ایک قافلہ کو جو مدینہ آرہا تھا انعام واکرام کی لالچ دے کر کہا کہ ہمارا یہ پیغام محمد ﷺ اور اُن کے ساتھیوں تک پہنچا دو کہ قریش مزید نفری اور تیاری کے ساتھ حملے کے لئے آرہے ہیں۔ ابو سفیان کا یہ پیغام سن کر مسلمانوں کے ایمان میں اور اضافہ ہوگیا اور انہوں نے کہا" ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے"۔
قرآنِ حکیم میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں ہوا:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

عَظِیۡمٍ ﴿﴾ (آل عمران : 172 - 174)

''جنہوں نے اللہ اور رسول ؐ کے حکم پر لبیک کہی اِس کے بعد کہ پہنچ چکے تھے اُنہیں زخم، اِن میں سے جو نیکوکار اور پرہیز گار ہیں اُن کے لئے شاندار بدلہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اُن سے لوگوں نے آ کر کہا کہ کفار تمہارے خلاف جمع ہو رہے ہیں، اُن سے ڈرو تو اُن کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے کہ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمتوں اور اُس کے فضل کے ساتھ واپس آئے، اُن کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچا اور اُنہوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

غزوۂ اُحد میں وقتی شکست کا سبب

غزوۂ اُحد میں وقتی شکست کا سبب اِس سے پہلے سورۂ آل عمران آیت 152 میں ہمارے سامنے آچکا ہے کہ یہ نظم کی خلاف ورزی تھی۔ درہ پر موجود تیر انداز فتح کی خوشی میں ایسے سرشار ہوئے کہ نبی کریم ﷺ کی دی ہوئی ہدایت بھول گئے اور اُنہوں نے اپنے امیر حضرت عبداللہؓ بن جبیر کے حکم کی اطاعت بھی نہ کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اَوَلَمَّآ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَيۡهَا قُلۡتُمۡ اَنّٰى هٰذَا ‌ؕ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ (آل عمران : 165)

''بھلا جب تم پر (اُحد میں) مصیبت واقع ہوئی حالانکہ (جنگِ بدر میں) اُس سے دو چند مصیبت تم (قریش کو) پہنچا چکے ہو تو تم چلا اٹھے کہ کہ ہم پر یہ مصیبت کہاں سے آپڑی؟ (اے نبی ؐ) کہہ دیجئے یہ تمہاری (غلطی کی) وجہ سے ہے۔''

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک نظم کی کیا اہمیت ہے۔ چند ساتھیوں کی غلطی سے فتح شکست میں بدل گئی، ستر ساتھی شہید ہوئے، کئی ساتھی مجروح ہوئے، خود نبی اکرم ﷺ کو بھی شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور بدر کی فتح سے مسلمانوں کا جو رعب قائم ہوگیا تھا وہ ختم ہوگیا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ :

بعض روایات اور تفاسیر میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ درہ پر مامور صحابہ کرامؓ نے مالِ غنیمت کے حصول کی وجہ سے درہ چھوڑ دیا تھا۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ مالِ غنیمت کے بارے میں ہدایت تو غزوۂ بدر کے فوراً بعد سورۂ انفال میں آ گئی تھی جس کے مطابق مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہوگا اور بقیہ مجاہدین میں برابر برابر تقسیم ہوگا۔ البتہ مجاہدین میں سے جو اپنی سواری کا جانور لائے گا اُسے ایک حصہ سواری کا بھی دیا جائے گا۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت **152** میں جو الفاظ آئے ہیں :

حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا

”یہاں تک کہ تم ڈھیلے پڑ گئے اور تم نے نظم کے معاملہ میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی، اُس کے بعد جب اللہ نے تم کو وہ دکھا دیا جسے تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے کچھ طلب گار تھے دنیا کے“

یہاں پسندیدہ شے اور دنیا کی طلب سے مراد مالِ غنیمت نہیں بلکہ دنیوی فتح ہے۔ سورۂ صف آیت **13** میں اِسی کا ذکر ہے کہ :

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿﴾

”اور ایک دوسری کامیابی جسے تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح اور (اے نبیؐ) مومنوں کو (قریبی فتح کی) خوشخبری سنا دیجیے۔“

غلطی پر معافی کا اعلان

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران میں دوبار، درہ پر متعین ساتھیوں یا گھبراہٹ میں میدان چھوڑ دینے والوں کی غلطی کو معاف کرنے کا اعلان فرمایا :

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿﴾ (آلِ عمران : 152)

”اور اُس نے تمھیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔“

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿﴾ (آلِ عمران : 155)

''جو لوگ تم میں سے بھاگ کھڑے ہوئے اُس روز جب کہ دو جماعتیں آپس میں ٹکرا گئی تھیں، تو اُن کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے اُنہیں ڈگمگا دیا تھا اور اللہ نے اُن کا قصور معاف کر دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا تحمل والا ہے۔''

وقتی شکست پر مسلمانوں کی دلجوئی

سورۂ آلِ عمران آیات 139 تا 143 میں اللہ تعالیٰ نے اُحد میں وقتی شکست پر مسلمانوں کی بڑے مؤثر اسلوب میں دلجوئی فرمائی۔ آیت 139 میں فرمایا:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿﴾

''اے مسلمانو! نہ ہمت ہارو اور نہ ہی غمگین ہو، اگر تم ایمان پر ثابت قدم رہے تو بالآخر غالب تم ہی ہو گے۔''

یہ ایک وقتی شکست ہے جس میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جس طرح رات کے ساتھ دن کی، روشنی کے ساتھ اندھیرے کی اور گرمی کے ساتھ سردی کی افادیت ہے، اسی طرح فتح کے ساتھ شکست بھی مصلحت سے خالی نہیں۔ البتہ اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر تم نے ایمانِ حقیقی کی دولت محفوظ رکھی یعنی تمہارے ایمان کا اظہار تمہارے سیرت و کردار میں جہاد فی سبیل اللہ کی صورت میں نظر آتا رہا اور تم ایمان کی اس دولت میں اضافہ کرتے رہے تو آخری فتح تمہیں ہی حاصل ہوگی۔ اللہ کا یہ وعدہ سورہ نساء آیت 141 میں اس طرح بیان ہوا:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿﴾

''اللہ ہرگز کافروں کو مومنوں پر کامیابی کی راہ نہیں دے گا۔''

ہمارے موجودہ زوال کا سبب بھی ایمانِ حقیقی سے ہمارے دلوں کا محروم ہونا ہے اور پھر سے عظمت کے حصول کا یہی راستہ ہے کہ ہم اللہ کی کتاب سے تعلق مضبوط کر کے اپنے قلوب کو

ایمانِ حقیقی کے نور کے ذریعہ خوب سے خوب سے منور کریں۔

اس کے بعد سورۂ آلِ عمران آیات **140** اور **141** میں فرمایا:

اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾

وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

''اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو سوچو تمہارے دشمنوں کو بھی (بدر میں) ایسا ہی زخم لگ چکا ہے۔ یہ تو وہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے مابین گردش دیتے ہیں۔ تا کہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون ہیں واقعتاً اہلِ ایمان اور وہ عطا فرمائے تم میں سے بعض کو مرتبۂ شہادت اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور تا کہ اللہ اہلِ ایمان کی چھانٹی کرے اور کافروں کو مٹا دے۔''

ان آیات میں مسلمانوں کو ہمت دلائی گئی کہ مشرکین کو دیکھو، اپنے معبودانِ باطل کے لئے اُن کی سرفروشی کا یہ عالم ہے کہ بدر میں تمہارے ہاتھوں ایک نہایت کاری زخم کھانے کے باوجود اگلے ہی سال وہ اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے پھر سے تم پر حملہ آور ہو گئے۔ تم تو معبودِ حقیقی پر ایمان رکھنے والے ہو، تم کیوں اپنا دل تھوڑا کر رہے ہو۔ لوگوں کے درمیان اونچ نیچ کا معاملہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت کرتا رہتا ہے۔ آزمائش کی یہی تو وہ کسوٹی ہے جس سے مومن اور منافق کی تمیز ہو گی۔ پھر اسی طور پر اللہ تم میں سے کچھ جانثاروں کو شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز فرمائے گا۔ کہیں شیطان تمہارے ذہن میں یہ خیال نہ ڈال دے کہ اللہ نے کفار کو کچھ فتح دے دی ہے تو شاید وہ اب کفار سے محبت کرنے لگا ہے۔ نہیں! اللہ اس امتحان کے ذریعہ مومنوں کو چھانٹ کر الگ کرنا چاہتا ہے تا کہ کافر علیحدہ سے نمایاں ہو جائیں اور پھر انہیں برباد کر دیا جائے۔ اس کے بعد آیت **142** میں ارشاد ہوا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں۔''

اِس آیت میں مسلمانوں کو غور وفکر کی دعوت دی گئی کہ دنیا کی عارضی اور کم تر نعمتوں کے حصول کے لئے بھی کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں، تو کیا جنت کی دائمی اور اعلیٰ ترین نعمتیں بغیر کسی تکلیف کے مل جائیں گی۔ لفظ ''صابرین'' کو یہاں خاص طور پر نوٹ کیجئے۔ منتخب نصاب کے زیر درس حصہ کا موضوع ''تواصی بالصبر'' ہی ہے۔ اِس کے بعد آیت **143** میں آگاہ کیا گیا:

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

''اور تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اِس سے پہلے کہ تم اُس کا سامنا کرتے، تو اب تم نے اُس موت کو دیکھ لیا ہے اور دیکھ رہے ہو اپنی آنکھوں کے سامنے۔''

یہاں مسلمانوں کو اُن کا شوقِ شہادت یاد دلایا گیا۔ فرمایا گیا کہ ہمت نہ ہارو، اللہ نے تم میں سے ستر ساتھیوں کو شہادت کی وہ عظیم سعادت دی ہے جس کی وہ آرزو کر رہے تھے۔

غزوۂ اُحد میں وقتی شکست کی حکمتیں

1 - غزوہ اُحد میں وقتی شکست کی ایک حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کو نظم کی خلاف ورزی کی نحوست سے آگاہ کیا جائے تا کہ وہ آئندہ کبھی بھی اِس غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔

2 - اللہ تعالیٰ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کی آزمائش کرنا چاہتا تھا کہ ظاہر ہو جائے کون سچا مومن ہے جو مشکل حالات میں بھی ثابت قدم رہتا ہے اور کون مشکلات میں جی ہار جاتا ہے اور ساتھ چھوڑ دیتا ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

''ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ مومنین کو اِسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم لوگ ہو، یہاں تک کہ خبیث کو پاکیزہ سے الگ کر دے۔'' (آل عمران: **179**)

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۖ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿﴾

''اور جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن واقع ہوئی سو اللہ کے حکم سے (واقع ہوئی) اور (اس سے) یہ مقصود تھا کہ اللہ ظاہر کردے مومنوں کو اور اُن کو جو منافق ہوئے اور اُن سے کہا گیا تھا کہ آ ؤ اللہ کے رستے میں جنگ کرو یا (کافروں کے) حملوں کو روکو تو کہنے لگے کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ یہ واقعی لڑائی ہے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ رہتے۔ یہ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے۔''

(آل عمران: 166 - 167)

غزوہ اُحد سے پہلے منافقین کا نفاق مسلمانوں سے پوشیدہ تھا۔ جب یہ غزوہ پیش آیا تو منافقین کے طرزِ عمل سے اُن کا نفاق بالکل ظاہر ہوگیا:

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۗ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۗ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿﴾

''اور ایک گروہ ایسا تھا جسے اپنی جان کی پڑی تھی، وہ اللہ کے بارے میں ناحق گمان کر رہے تھے یعنی جاہلیت والے گمان۔ وہ کہتے تھے کہ بھلا ہمارے اختیار میں بھی کچھ ہے؟ (اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے بے شک سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ یہ لوگ (بہت سی

باتیں) دلوں میں چھپاتے ہیں جو آپؐ پر ظاہر نہیں کرتے ۔ کہتے ہیں ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے ۔ کہہ دیجیے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی قتل گاہوں تک پہنچ کر رہتے اور اللہ جانچنا چاہتا ہے کہ تمہارے سینوں میں کیا ہے اور صاف کرنا چاہتا ہے تمہارے دلوں کی باتوں کو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے۔" (آل عمران : **154**)

اب مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ خود ان کے اپنے گھروں کے اندر بھی ان کے دشمن موجود ہیں۔ اس لئے مسلمان اُن سے نمٹنے کے لئے مستعد اور اُن کی طرف سے محتاط ہوگئے۔

3- آزمائشیں اہلِ ایمان کی تربیت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ آزمائش کی بھٹیوں سے گزر کر ہی کندن بنا جاتا ہے۔ ان کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ صفوں میں ابھی کہاں کہاں کمزوری موجود ہے اور جمعیت کے اندر کون کون سے گوشے ایسے ہیں کہ جہاں ابھی مزید استحکام کی ضرورت ہے۔ آئندہ کے کٹھن تر مراحل سے نبرد آزما ہونے کے لئے اپنی تمام کمزوریوں سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ اپنی صفوں کو از سرِ نو ترتیب دے کر انہیں تطہیر کے عمل سے گزار کر، اپنی ہمت کو مضبوط کیا جائے تا کہ آئندہ آنے والے مراحل کے لئے مناسب تیاری کی جا سکے۔

4- اللہ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اُن کے لئے اس کے اسباب بھی فراہم کر دیئے، یعنی کفر و ظلم اور اولیاء اللہ کی ایذاء رسانی میں حد سے بڑھی ہوئی سرکشی۔ پھر اُن کے اسی عمل کے نتیجے میں اہلِ ایمان کو گناہوں سے پاک و صاف کر دیا اور کافروں کو ہلاک و برباد۔ سورہ آلِ عمران آیات **176** اور **178** میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿﴾

"اور (اے نبیؐ) آپؐ کو غمگین نہ کریں وہ لوگ جو بڑی تیزی دکھاتے ہیں کفر میں۔ وہ

اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے ۔ اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں اُن کے لئے کچھ حصہ نہ رہے
اور اُن کے لئے بڑا عذاب تیار ہے۔''

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿﴾

''اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ ہم اُن کو جو مہلت دیئے جاتے ہیں تو یہ اُن کے حق میں خیر ہے (نہیں بلکہ) ہم اُن کو اِس لئے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کرلیں آخر کار اُن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔''

5- اللہ نے اہلِ ایمان کے لئے جنت میں کچھ ایسے درجات تیار کر رکھے ہیں جہاں تک اُن کے لئے اعمال کے ذریعہ رسائی مشکل ہے۔ لہٰذا اللہ آزمائش کے ذریعہ اہلِ ایمان کو شہادت کے اعلیٰ ترین مرتبہ تک لے جاتا ہے اور جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچا دیتا ہے:

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿﴾ (آلِ عمران : 157)

''اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جاؤ یا طبعی موت مر جاؤ تو یقیناً اللہ کی طرف سے ملنے والی بخشش اور رحمت کہیں بہتر ہے اُس مال و اسباب سے جو وہ (گھر بیٹھ رہنے والے) جمع کرتے ہیں۔''

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿﴾

''اور ہر گز گمان نہ کرنا اُن کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ خوش ہیں اُس

(انعام واکرام) سے کہ جو اللہ نے اپنے فضل سے اُنھیں عطا فرمایا اور خوش خبریاں حاصل کر رہے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں کہ جو ابھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے اُن کے بعد والوں میں سے، کہ نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوشخبری حاصل کر رہے ہیں اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (آلِ عمران : 169 - 171)

غزوہ ٔ احد کے ضمن میں چند اصولی ہدایات

1 - اسلام سے قبل عرب معاشرے میں سودی لین دین عروج پر تھا۔ اسلام نے اس لعنت کو بتدریج ختم کیا۔ غزوہ ٔ احد کے فوراً بعد سود در سود یعنی سود مرکب پر پابندی لگادی گئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿ (آلِ عمران : 130)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مت کھاؤ سود بڑھتا چڑھتا اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تاکہ تم کامیاب ہوسکو۔''

سودی لین دین انسان کو مال کا حریص بنادیتا ہے اور انسان کے اندر سے کسی اعلیٰ مقصد کے لئے قربانی وایثار کے جذبے کو ختم کردیتا ہے۔ اس کے برعکس اقامتِ دین کے لئے مسلمانوں کی جدوجہد اب قتال کے مرحلے میں داخل ہوچکی تھی اور اس کے لئے تو مال وجان کی بڑی بڑی قربانیاں درکار تھیں۔ اسی لئے سودخوری کی ایک صورت سے منع کیا گیا۔ بعد ازاں سورہ بقرۃ میں ہر قسم کے سود کو حرام قرار دے دیا گیا۔

2 - مسلمانوں کو خبردار کردیا گیا کہ حالات کتنے ہی مایوس کن کیوں نہ ہوں، کفار کی کسی پیشکش یا بات کی طرف توجہ نہ دینا۔ وہ خود تو گمراہ ہیں، تمہیں بھی گمراہ کردیں گے۔ مشکل حالات میں اللہ کی طرف رجوع کرو وہی تمہارا حقیقی خیر خواہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم نے کافروں کی بات مانی تو وہ تمہیں الٹے قدموں دین سے پھیر دیں گے اور تم پلٹ کر ہو جاؤ گے خسارہ پانے والے۔ بلکہ اللہ تمہارا حقیقی پشت پناہ ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔'' (آل عمران : 149 - 150)

3 – غزوۂ اُحد میں ساتھیوں سے بہت بڑی غلطی ہوئی تھی، اِس کے باوجود اللہ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کے لئے ہدایت وارد ہوئی :

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

''پس یہ اللہ کی رحمت ہی ہے کہ آپؐ ان کے لئے نرم دل ہیں۔ اگر آپؐ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپؐ کے پاس سے متفرق ہو جاتے۔ پس اِن کو معاف کر دیجئے اور اِن کے لئے اللہ سے مغفرت مانگئے اور اِن سے ہر اہم معاملے میں مشورہ کرتے رہئے پھر (مشورے کے بعد) جب آپؐ نے عزم و ارادہ کر لیا ہو تو اللہ پر توکل کیجئے، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔'' (آل عمران : 159)

اِس آیت میں ایک امیرِ جماعت کو نصیحت ہے کہ ساتھیوں کا خلوص اگر شک وشبہ سے بالاتر ہے تو خواہ اُن سے نیک نیتی سے کیسی ہی غلطی ہو جائے، اُن سے نرمی برتی جائے، انہیں معاف کر دیا جائے، اللہ سے اُن کے حق میں اِستغفار کی جائے اور اُن پر اعتماد کرتے ہوئے اُنہیں مشورہ میں شریک کیا جائے۔

4– مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ نہ اپنے اسباب کی قلت سے مایوس ہونا اور نہ دشمن کے اسباب کی کثرت سے مرعوب ہونا تمہاری نگاہ صرف اللہ کی طرف رہے۔ فیصلہ کن شے صرف اور صرف اللہ کی مدد ہے :

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿﴾ (آل عمران : 160)

''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکے گا اور مومنوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔''

5- منافقین نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے کہا :

لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا (آل عمران : 168)

'' اگر وہ ہماری بات مانتے تو یوں مارے نہ جاتے۔''

جواب میں کہا گیا :

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿﴾ (آل عمران : 168)

(اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجئے اپنے اوپر سے موت کو ٹال کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو۔''

گویا مسلمانوں کو یہ حقیقت یاد دلائی گئی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی کی موت واقع نہیں ہو سکتی۔ موت کا وقت اور جگہ طے ہے۔ طے شدہ وقت سے پہلے کوئی انسان مر نہیں سکتا اور جب موت کا وقت آجائے تو کوئی اُسے ٹال نہیں سکتا :

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (آل عمران : 145)

"کسی ذی نفس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مر جائے مگر اللہ کے حکم سے، وہ تو ایک معین وقت ہے لکھا ہوا۔''

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ

''(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں تک پہنچ کر رہتے۔'' (آل عمران : 154)

6- غزوہٗ اُحد کے بعد ابھی قتال کے مرحلہ میں کئی معرکے آنے تھے لہٰذا مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ حقیقت میں اللہ والے وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں بڑی پامردی سے جنگ کرتے ہیں :

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿﴾ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿﴾(آلِ عمران : 146 - 148)

’’اور کتنے ہی نبیؑ ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی تو انہوں نے ہمت نہ ہاری اُن تکالیف پر جو اُنہیں اللہ کی راہ میں پیش آئیں، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ باطل کے سامنے دبے اور اللہ ایسے ہی صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اور اُن کی دعا تو بس یہی تھی کہ وہ یہ التجا کرتے رہے کہ اے ہمارے رب! درگزر فرما ہماری خطاؤں سے اور جو بھی زیادتی ہوئی ہم سے اپنے معاملات میں اور ہمارے قدموں کو جما دے اور ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما۔ تو اللہ نے اُنہیں دنیا کا بدلہ بھی عطا فرمایا اور آخرت کا بھی بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ بدلہ دیا۔ اور اللہ ایسے ہی نیک عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔‘‘

معرکۂ اُحد - نازک حالات میں صبرو ثبات کا اُسوہ

نبی کریم ﷺ اللہ کے رسول تھے۔ اللہ کا خصوصی فضل ہر وقت آپ ﷺ کے شاملِ حال تھا۔ اللہ چاہتا تو آپ ﷺ کو کانٹا تک نہ چبھتا اور کبھی شکست کی صورتِ حال کا سامنا نہ ہوتا۔ لیکن اِس صورت میں ہمارے لئے آپ ﷺ کے اُسوہ میں ایک کمی رہ جاتی کہ شکست کی حالت میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے؟۔ نبی اکرم ﷺ نے میدانِ اُحد میں جس طرح انتہائی نازک حالات میں اِستقامت کے ساتھ دادِ شجاعت دی، پھر سے مسلمانوں کو منظم کیا اور اُن کے حوصلوں کو بڑھایا، اِس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صبر وثبات کا عظیم پہاڑ تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہر قسم کی صورتِ حال میں صبرو اِستقامت کے ساتھ اپنے دین کی خدمت کا مشن جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

درسِ ہفتم : غزوۂ احزاب

آزمائش و امتحان کا نقطۂ عروج

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۹﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

☆ تمہیدی نکات:

۱- منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ ہفتم "غزوۂ احزاب" کے پس منظر، حالات و واقعات اور اس موقع پر مومنین و منافقین کے طرزِ عمل کے بیان پر مشتمل ہے۔

۲- غزوۂ احزاب شوال سن ۵ ہجری میں ہوا۔ احزاب جمع ہے حزب کی جس کے معنی ہیں جماعت۔ اس جنگ کو غزوۂ احزاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں کئی جماعتیں یعنی قبائل کے لشکر شامل تھے۔ سورۂ احزاب کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں اس غزوہ کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ ان رکوعوں میں سے چند آیات کی روشنی میں ہم اس غزوہ کی تفصیلات اور اس ضمن میں حاصل ہونے والی رہنمائی کو سمجھیں گے۔

۳- غزوۂ احزاب کے موقع پر پیش آنے والے حالات اجتماعی اعتبار سے مسلمانوں کے لئے آزمائش و امتحان کا نقطۂ عروج تھے۔ اس امتحان کے دوران دو مختلف کردار پوری طرح سے نمایاں ہو گئے۔ ایک طرف منافقین کا کردار تھا جو اُن کی بزدلی اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ سوئے ظن اور بغض و عداوت کا مظہر تھا اور دوسری طرف مومنین کا کردار تھا جو اُن کے ایثار و قربانی کے جذبات، بہادری اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ زندگی کے مختلف مراحل پر ہمیں بھی امتحانات و آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ اس عارضی زندگی میں مومنانہ کردار اپنا کر ابدی راحتوں کا سامان کرتے ہیں یا منافقانہ کردار کا مظاہرہ کر کے چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات کو ترجیح دیتے ہیں۔

غزوۂ احزاب کا پس منظر

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی وقتی شکست کا نتیجہ یہ نکلا کہ غزوۂ بدر کے بعد قبائلِ عرب پر مسلمانوں کی جو دھاک بیٹھ گئی تھی وہ جاتی رہی۔ میدانِ بدر میں تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمانوں کو جو فتح مبین حاصل ہوئی تھی، اُس کا تاثر بالکل ختم ہو گیا۔ غزوۂ بدر میں ستر کافر مارے گئے تھے لیکن

اُحد میں ستر مسلمان شہید ہو گئے ۔مسلمانوں کا رعب و دبدبہ ختم ہو گیا۔ دشمنانِ اسلام عرب قبائل کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہے کہ یہ فتح وشکست کا معاملہ اتفاقی ہوتا ہے۔ کبھی ایک فریق غالب آتا ہے اور کبھی دوسرا۔ اُحد کی شکست سے ثابت ہوا کہ اللہ کی تائید مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہے۔ اس صورتِ حال سے مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور دشمنوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ غزوۂ اُحد کے بعد کے دو سال مسلمانوں کے لئے بڑی ہی آزمائش کے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمام اطراف سے دشمنوں کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں۔ کئی قبائل مسلمانوں کے خلاف مہم جوئی کے منصوبے بنا رہے تھے، چھاپہ مار کارروائیوں کے ذریعہ مسلمانوں پر حملے اور لوٹ مار کر رہے تھے اور تبلیغ کے بہانے صحابہؓ کو اپنے قبائل میں لے جا کر شہید کر رہے تھے۔ ان سختیوں کا نقطۂ عروج ہے غزوۂ احزاب جو غزوۂ اُحد کے دو سال بعد پیش آیا۔

خیبر کے یہودی سرداروں نے قریش، بنو غطفان اور دیگر عرب قبائل کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اگر بھرپور تیاری کے ساتھ ایک مشترکہ کوشش کی جائے تو مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دے کر یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکتا ہے۔ ان سارے قبائل نے ایک مقررہ وقت اور مقررہ پروگرام کے مطابق مدینے کا رُخ کیا۔ حملہ آوروں کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی۔ یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ غالباً مدینے کی پوری آبادی (عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کو ملا کر بھی) اس کے برابر نہ تھی۔ اگر حملہ آوروں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مدینے کی چہار دیواری تک اچانک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کے لئے سخت خطرناک ثابت ہوتا اور شاید اُن کا مکمل صفایا ہو جاتا۔

الحمدللہ! مدینے کی قیادت نہایت بیدار مغز اور چوکس تھی۔ چنانچہ کفار کے لشکر جوں ہی اپنی اپنی جگہ سے حرکت میں آئے، مدینے کے مخبرین نے اپنی قیادت کو اس کی اطلاع فراہم کر دی اور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مشاورت کے لئے طلب فرمایا۔

غزوۂ احزاب سے قبل مشاورت

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو کفار کے منصوبوں سے آگاہ فرمایا اور دفاعی حکمتِ عملی کے

حوالے سے مشورہ طلب فرمایا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے تجویز پیش کی کہ فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے۔ مدینہ شمال کے علاوہ باقی اطراف سے لاوے کی چٹانوں اور کھجور کے باغات سے گھرا ہوا ہے۔ مدینے پر اتنے بڑے لشکر کی یورش صرف شمال ہی کی جانب سے ہو سکتی ہے۔ اگر اس جانب خندق کھدوالی جائے تو مدینہ کا دفاع کیا جا سکتا ہے۔ یہ بڑی باحکمت دفاعی تجویز تھی۔ اہلِ عرب اس سے واقف نہ تھے۔ نبی اکرمؐ نے اس تجویز کو قبول فرمایا اور ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپ دیا۔

خندق کی کھدائی

مسلمان بڑی محنت اور دلجمعی سے خندق کھود رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نہ صرف اُن کی حوصلہ افزائی فرما رہے تھے بلکہ عملاً اس کام میں پوری طرح شریک بھی تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ٹھنڈی صبح خندق کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ مہاجرین و انصار کھودنے کا کام کر رہے ہیں۔ اُن کے پاس غلام نہ تھے کہ اُن کے بجائے غلام یہ کام کر دیتے۔ آپ ﷺ نے اُن کی مشقت اور بھوک دیکھ کر فرمایا :

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ   فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

”اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ پس مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔“

انصار و مہاجرین نے اس کے جواب میں کہا :

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا   عَلَی الْجِہَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

”ہم ہیں وہ کہ جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اس بات کی بیعت کہ جہاد کرتے رہیں گے جب تک کہ جان میں جان ہے۔“

مسلمان ایک طرف اس گرمجوشی کے ساتھ کام کر رہے تھے تو دوسری طرف غذا کی قلت کا یہ عالم تھا کہ کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ بھوک کی شدت کے باعث اندیشہ تھا کہ فاقے کی وجہ سے کہیں کمر دوہری نہ ہو جائے لہٰذا پیٹ پر پتھر باندھ لئے گئے تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ

ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے شکم کھول کر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھایا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا شکم دکھایا تو اُس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔" (ترمذی)۔

مسلمانوں نے خندق کھودنے کا کام مسلسل جاری رکھا۔ دن بھر کھدائی کرتے اور شام کو گھر پلٹ آتے یہاں تک کہ مدینے کی دیواروں تک کفار کے لشکر جرار کے پہنچنے سے پہلے مقررہ پروگرام کے مطابق خندق تیار ہوگئی۔ یہ خندق تقریباً ساڑھے تین میل طویل، دس گز چوڑی اور پانچ گز گہری تھی۔

مدینہ پر حملہ

مدینہ پر حملہ آور ہونے والوں میں عربوں کے علاوہ یہود کے قبائل بھی شامل تھے۔ جنوب سے قریش اور اُن کے حلیف آئے، شمال سے خیبر کے یہود آئے اور مشرق سے غطفان کے قبائل آئے۔ لشکر نجد سے بھی آئے جو مدینہ سے بلندی پر واقع ہے اور بحرِ احمر کی طرف سے بھی آئے جو مدینہ کے مقابلے میں نشیب میں ہے۔ قرآنِ حکیم نے اِس کا ذکر اِن الفاظ میں کیا:

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۞ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۞ (الاحزاب: 9-10)

"ذرا یاد تو کرو جب وہ لشکر تم پر حملہ آور ہوئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے بھی اور جبکہ نگاہیں پتھرا رہی تھیں اور دل (خوف سے) دھڑک دھڑک کر حلق تک پہنچ رہے تھے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ یہ وقت وہ تھا جب کہ اہلِ ایمان کی صحیح معنوں میں آزمائش ہوگئی اور اُنہیں ہلا دیا گیا بڑی شدت کے ساتھ۔"

جب مشرکین حملے کی نیت سے مدینے کی طرف بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چوڑی خندق اُن کے اور مدینے کے درمیان حائل ہے اور مدینہ میں داخلہ ناممکن ہے۔ اب اُنہوں نے مدینہ کا پوری طرح سے محاصرہ کرلیا اور اندر داخل ہونے کی تدبیریں کرنے لگے۔

صورتِ حال اُس وقت اور خطرناک ہوگئی جب یہ اطلاع ملی کہ مدینہ کے جنوب میں آباد یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے میثاقِ مدینہ توڑ دیا ہے اور وہ بیرونی حملہ آوروں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ یہ صورتِ حال اِس لئے نازک تھی کہ بنو قریظہ کے قلعے اُن گھروں کے بالکل ساتھ تھے جہاں خواتین اور بچوں کو رکھا گیا تھا۔ اِن گھروں پر یہود کے حملے کو روکنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اب مسلمانوں کے پیچھے اور عین مدینہ کے اندر عہد شکن یہود تھے اور سامنے مشرکین کا لشکرِ جرار تھا۔

بلاشبہ یہ موقع مسلمانوں کے لئے ابتلاء اور آزمائش کا نقطۂ عروج تھا۔ جس طرح ذاتی سطح پر طائف کے دن نبی اکرم ﷺ پر مصائب اور تکالیف کا معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا، بالکل اِسی طرح کا معاملہ بحیثیتِ مجموعی مسلمانوں کے لئے غزوۂ احزاب کے موقع پر ہوا۔ مدینے کی چھوٹی سی بستی پر جس میں چند سو گھر آباد ہوں گے، اتنا بڑا حملہ ایک نہایت غیر معمولی بات تھی۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کہیں چٹیل میدان میں کوئی چراغ جل رہا ہو اور اُسے بجھانے کے لئے ہر طرف سے جھکڑ چل رہے ہوں۔ صورتِ حال نہایت خوفناک تھی اور ایسی تباہی نگاہوں کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی کہ آنکھیں پتھرا رہی تھیں، خوف و دہشت سے دل اچھل رہے تھے اور طرح طرح کے وسوسے دلوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ اللہ کا نصرت کا وعدہ برحق تھا یا نہیں؟ مسلمانوں کے غلبہ کی یقین دہانیاں حقیقی تھیں یا سراب؟ عرب اور عجم کے خزانے قدموں میں آنے کی خبریں سچی بشارتیں تھیں یا سبز باغ؟

آزمائش و امتحان کے اِس کٹھن ترین مرحلے کے ذریعہ اہلِ ایمان کا ایمان پوری طرح آزمالیا گیا اور جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا اُن کی بھی بھرپور آزمائش ہوگئی۔

منافقین کا طرزِ عمل

اِس امتحان و آزمائش کا نتیجہ یہ نکلا کہ منافقین اور مومنین صادقین علیحدہ علیحدہ نمایاں ہوگئے۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر جو منافقین راستے ہی سے پلٹ گئے تھے تو اُنہوں نے عہد کیا تھا کہ اگر

آئندہ آزمائش کا کوئی موقع آیا تو وہ ہرگز پیٹھ نہ پھیریں گے :

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿﴾ (الاحزاب : 15)

"اور انہوں اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کے بارے میں بازپرس ہوگی۔"

غزوۂ احزاب میں جب اُحد سے بھی بڑا خطرہ سامنے آیا تو ان منافقین کی حقیقت ظاہر ہوگئی کہ یہ لوگ اپنے اِس عہد میں کتنے مخلص اور سچے تھے۔ جو نفاق دلوں میں پوشیدہ تھا، اب زبانوں پر جاری ہوگیا :

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿﴾ (الاحزاب : 12)

"جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ محض فریب تھا"۔

منافقین کے اِس قول کے پس منظر میں ایک واقعہ ہے جو مسند احمد میں آیا ہے :

حضرت براءؓ کا بیان ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آپڑی جس سے ٹکرا کر کدال اچھل جاتی لیکن کچھ ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ مشکل رکھی۔ آپ ﷺ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی تو چٹان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا اور فرمایا: "اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اِس وقت وہاں کے سرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں"۔ پھر دوسری ضرب لگائی تو ایک دوسرا ٹکڑا ٹوٹ گیا اور فرمایا: "اللہ اکبر! مجھے فارس دیا گیا ہے۔ واللہ! میں اِس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں"۔ پھر تیسری ضرب لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی کٹ گئی۔ پھر فرمایا: "اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اِس وقت اپنی اِس جگہ سے صنعاء کے پھاٹک دیکھ رہا ہوں۔"

اب منافقین کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے تو ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے پائیں گے اور یہاں حالت یہ ہے کہ رفعِ حاجت کے لئے نکلنے میں بھی جان کی خیر نہیں۔ منافقین خندق کے پاس یعنی محاذِ جنگ پر کم ہی آتے تھے (لَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ الاحزاب : 18) اور آکر بھی دیگر مسلمانوں کے حوصلے پست کرتے تھے :

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا (الاحزاب : 13)

"اور جب اُن کی ایک جماعت نے کہا کہ اے اہلِ یثرب! تمہارے لئے ٹھہرنے (بچ رہنے) کا کوئی امکان نہیں لہٰذا واپس چلو (گھروں کو)۔"

بعض منافقین نبی اکرم ﷺ سے بہانہ کرتے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں لہٰذا ہمیں گھر جانے کی اجازت دیں :

وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿ (الاحزاب : 13)

"اور اُن میں سے ایک فریق نبی ﷺ سے اجازت مانگ رہا تھا، ہمارے گھر خالی پڑے ہیں۔ حالانکہ وہ خالی نہیں پڑے تھے۔ یہ لوگ محض فرار چاہتے تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس بزدلانہ روش پر خبردار فرمایا :

قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿ (الاحزاب : 13)

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم مرجانے یا مارے جانے سے بھاگتے ہو تو یہ بھاگنا تم کو فائدہ نہیں دے گا اور فرار ہو کر تم زندگی کا تھوڑا ہی مزہ لے سکو گے۔"

مومنین کا طرز عمل

خوف اور وحشت کی صورتِ حال میں مومنوں کے طرزِ عمل کا حال ان الفاظ میں بیان ہوا :

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿﴾ (الاحزاب : 22)

"اور جب اہلِ ایمان نے اُن لشکروں کو دیکھا تو کہا یہی تو ہے جس کا وعدہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ہم سے کیا تھا اور اللہ اور اُس کے رسولؐ نے سچ ہی فرمایا تھا اور اِس (حالت) نے اُن کے ایمان اور جذبۂ اطاعت کو اور بڑھا دیا۔"

اِس آیت میں وعدے سے مراد آزمائشوں اور امتحانات سے متعلق وہ پیشگی آگاہی ہے جس سے قرآنِ حکیم میں مومنوں کو بار بار خبردار فرمایا۔ مکی دور میں سن پانچ نبوی میں سورۂ عنکبوت کی آیات 2 اور 3 میں فرمایا گیا :

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿﴾

"کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے محض اِس لئے کہ اُنہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اور اُنہیں آزمایا نہ جائے گا۔ اور ہم اِن سے پہلے لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں پھر اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچوں کو اور وہ ظاہر کر کے رہے گا جھوٹوں کو۔"

مدنی دور کے آغاز ہی میں سورۂ بقرۃ میں دوبارہ اِس وعدے کی یاد دہانی کرائی گئی :

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾

"اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مال، جانوں اور میووں کے نقصان سے اور (اے نبیؐ) بشارت دیجئے صبر کرنے والوں کو۔" (البقرۃ : 155)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿﴾

"اے مسلمانو! کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ

ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ اُن پر سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ پکار اٹھے رسولؐ اور اُن کے ساتھی اہلِ ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اُس وقت انہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو، اللہ کی مدد قریب ہے۔" (البقرۃ : 214)

غزوۂ بدر سے پہلے سورۂ محمد ﷺ میں آگاہ کیا گیا :

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿﴾

"اور ہم تمہیں آزما کر رہیں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں گے تم میں سے جہاد اور صبر کرنے (ڈٹ جانے) والوں کو اور ہم جانچیں گے تمہارے حالات۔" (محمدؐ : 31)

غزوۂ اُحد کے بعد سورۂ آلِ عمران میں خبردار کیا گیا :

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾ (آلِ عمران : 142)

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں۔"

سورۃ الاحزاب کی اگلی آیت میں سچے مومنوں کے کردار کا کیا خوب نقشہ کھینچا گیا :

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿﴾ (الاحزاب : 23)

"مومنوں میں وہ جواں مرد بھی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد جو اُنہوں نے اللہ سے کیا تھا تو اُن میں کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے اور کچھ ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنے عہد کی بات کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔"

نذر پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جان قربان کر چکے اور کچھ ایسے ہیں جو بے تاب ہیں کہ اپنے شانوں پر رکھا ہوا بوجھ گردن کٹوا کر اتار دیں اور سبک دوش ہو جائیں۔

وبالِ دوش ہے سر جسمِ ناتواں پہ مگر
اُٹھا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لئے

وہ عہد سورہ توبہ آیت **111** میں بیان ہوا ہے کہ جس کو پورا کرنے کے لئے کچھ جواں مرد جامِ شہادت نوش کر چکے اور کچھ اس سعادت کے حصول کے لئے بے چین ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں جنت کے عوض وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں (کافروں کو) اور قتل کیے جاتے ہیں۔''

اس عہد کو نبھانے کے لئے ضروری ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کی طرف لے جانے والی راہ پر چلا جائے تاکہ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ کی سعادت حاصل کی جا سکے۔ اس کے لئے سب سے پہلے تو اللہ سے شہادت کی موت کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

وَمَنْ سَاَلَ اللّٰهَ الْقَتْلَ مِنْ نَفْسِهٖ صَادِقًا ثُمَّ مَاتَ اَوْ قُتِلَ فَاِنَّ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ

''جو شخص صدقِ دل سے اللہ سے شہادت طلب کرتا رہے گا تو چاہے وہ مر جائے یا مار دیا جائے، پس بلاشبہ اُس کے لئے شہید ہی کا اجر ہوگا۔'' (ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ)

البتہ دعا کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ ایسا عمل جس کے ذریعہ قتال فی سبیل اللہ کے مرحلہ تک پہنچنے کی بھرپور تیاری کی جا سکے۔ انفرادی زندگی بسر کرنے سے یہ مرحلہ کبھی نہیں آئے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد میں مصروف کسی جماعت سے وابستہ ہو کر فعال طریقہ سے کام کیا جائے تاکہ تحریک تصادم کے مرحلہ تک پہنچ سکے۔ نبی اکرمؐ نے **15** برس تک یہ تیاری کی۔ دعوت کے ذریعہ ایک جماعت فراہم کی اور تربیت کے ذریعہ اُسے مستحکم کیا۔ نبوت کے ظہور کے **15** برس بعد پھر بدر کے معرکہ سے قتال فی سبیل اللہ کا سلسلہ شروع ہوا۔

آیت کے آخری حصہ میں مومنوں کی خاص شان بیان ہوئی کہ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ”اُنہوں نے (اپنے عہد کی بات کو) ذرا بھی نہیں بدلا“۔ ایفائے عہد ایک انسان کے اعلیٰ کردار کی علامت ہے۔ہم سب نے کلمہ پڑھ کر اپنا مال اور اپنی جان اللہ کے سپرد کردینے کا عہد کر رکھا ہے۔ہمیں اپنا اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ اس عہد کو پورا کرنے کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کا مثالی اُسوہ

سورۂ احزاب میں غزوۂ احزاب سے متعلق بیان کے عین وسط میں سیرت النبی ﷺ کے عملی پہلو کے حوالے سے عظیم ترین آیت وارد ہوئی ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿ (الاحزاب : 21)

”یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں بہترین نمونہ ہے،اُس کے لئے جو طلب گار ہو اللہ کا، آخرت کے دن (سرخروئی) کا اور یاد کرتا ہو اللہ کو کثرت سے۔“

نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اِس قدر جامعیت کی حامل ہے کہ آپ ﷺ کئی حیثیتوں میں ہر دور کے انسانوں کے لئے اُسوۂ کامل ہیں۔آپ ﷺ تاریخِ انسانی کی واحد ہستی ہیں جو بحیثیت والد، شوہر، داماد،خسر،پڑوسی،تاجر، معلم،مربی،خطیب ،امام مسجد،داعی، امیر جماعت،سپہ سالار،فاتح،حکمران،قاضی ایک کامل نمونہ ہیں۔

آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ تو قرآنِ حکیم ہے لیکن آپ ﷺ کی ہمہ گیر حیاتِ طیبہ بھی ایک عظیم معجزہ ہے جو زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشے کے اعتبار سے ایک کامل عملی رہنمائی ہے۔البتہ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآنِ حکیم میں اسوۂ حسنہ کے الفاظ کس سیاق وسباق میں آئے ہیں۔یہ اُسوہ حسنہ وہ ہے جو ہمیں غزوۂ احزاب میں نظر آتا ہے۔وہ صبر وثبات، اللہ کے دین کے لئے سرفروشی اور جاں فشانی اور حال یہ تھا کہ جانثاروں کے شانہ بشانہ اور قدم بقدم ہی نہیں بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر ہر مشقت میں آپ ﷺ شریک تھے۔کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو

دوسروں نے اُٹھائی ہو اور آپ ﷺ نے نہ اٹھائی ہو۔ ایسا نہیں تھا کہ کہیں خیمہ لگا دیا گیا ہو اور قالین بچھا دیئے گئے ہوں اور وہاں آپ ﷺ آرام فرما رہے ہوں اور صحابہ کرامؓ ہی خندق کھودنے کے لئے کدالیں چلا رہے ہوں۔ بلکہ معاملہ یہ تھا کہ خندق کھودنے والوں میں آپ ﷺ بھی شامل ہیں۔ سردی اور بھوک کی تکالیف اٹھانے میں آپ ﷺ برابر کے شریک ہیں۔ کفار کے محاصرے کے دوران آپ ﷺ ہر وقت خندق کے پاس موجود رہے۔ جس طرح صحابہ کرامؓ تکان سے چُور ہو کر پتھر کا تکیہ بنا کر تھوڑی دیر کے لئے آرام کی خاطر لیٹ جاتے تھے، اُسی طرح آپ ﷺ بھی وہیں کھلی زمین پر کچھ دیر کے لئے پتھر پر سر رکھ کر آرام فرما لیا کرتے تھے۔ بنو قریظہ کی طرف سے عہد شکنی کے بعد جس خطرے میں سب مسلمانوں کے اہل و عیال مبتلا تھے، اُسی سے آپ ﷺ کے اہلِ بیت بھی دوچار تھے۔

یہ ہے وہ صورتِ حال جس میں فرمایا گیا ''تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں بہترین نمونہ ہے''۔ ہم چھوٹی چھوٹی سنتوں کی کسی درجہ میں پیروی کر کے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم اُسوۂ محمدی ﷺ پر عمل پیرا ہیں۔ ویسے تو ہر چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی ایک نور ہے اور لائقِ اتباع ہے لیکن ترجیح دینی چاہیئے دین کی دعوت اور اقامت کے لئے سرفروشی، ایثار اور محنت و مشقت والے بڑے اُسوہ کو۔ اگر یہ چھوٹی سنتیں اُس اصل اور بڑے اُسوہ پر عمل کے لئے اوٹ بن جائیں تو یہ بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔ بڑے اُسوہ کی پیروی کے ساتھ ان چھوٹی سنتوں پر عمل نورٌ علیٰ نور ہے۔

اس آیت میں یہ وضاحت بھی آئی کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں اُسوہ اُن کے لئے ہے جو اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر کے طلب گار ہوں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں۔ نبی اکرم ﷺ اللہ کے محبوب بندے ہیں۔ اب اگر ہمیں اللہ کی محبت اور نظرِ کرم چاہیئے تو اس کے لئے اللہ کے محبوب بندے ﷺ کی اتباع کرنی ہوگی :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿﴾

"(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا" (آلِ عمران : 31)

اسی طرح آخرت میں وہی عمل مقبول ہوگا جو نبی اکرم ﷺ کی پیروی کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ کے احکامات اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ جس شخص کو اللہ سے محبت ہی نہیں، جسے آخرت کے محاسبہ کا خوف ہی نہیں اور جو جملہ معاملاتِ زندگی میں خود کو آزاد سمجھتا ہے، اُسے نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اللہ ہمیں اس محرومی سے محفوظ فرمائے۔ آمین

کفار سے مقابلہ

نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ کفار خندق نہ پار کر سکیں، اپنے تین ہزار ساتھیوں کی خندق کے ساتھ ساتھ مورچہ بندی فرمائی۔ کفار کے لشکر خندق کے پاس پہنچ کر غیظ و غضب سے چکر کاٹنے لگے۔ دفاع کا یہ منصوبہ اُن کے لئے بالکل نیا تھا۔ مجبوراً انہیں مدینہ کا محاصرہ کرنا پڑا لیکن انہیں ایسے کمزور حصے کی تلاش تھی جہاں سے وہ خندق عبور کر سکیں۔ دوسری طرف مسلمان دن رات چوکس تھے، کفار کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے اور اُن پر تیر برساتے رہتے تھے تا کہ انہیں خندق کے قریب آنے کی جرأت نہ ہو، وہ اس میں نہ کود سکیں اور نہ مٹی ڈال کر عبور کرنے کے لئے راستہ بنا سکیں۔

ادھر قریش کے شہسواروں کو گوارا نہ تھا کہ خندق کے پاس محاصرے کے نتائج کے انتظار میں بے فائدہ پڑے رہیں۔ یہ اُن کی عادت اور شان کے خلاف بات تھی۔ چنانچہ اُن کی ایک جماعت نے جس میں عمرو بن عبدِ وُدّ، عکرمہ بن ابی جهل اور ضرار بن خطاب وغیرہ شامل تھے ایک تنگ مقام سے خندق پار کر لی۔ ادھر سے حضرت علیؓ چند مسلمانوں کے ہمراہ نکلے اور مشرکین کو مقابلہ کے لئے للکارا۔ اس پر عمرو بن عبدِ وُدّ

حضرت علیؓ سے مقابلہ کے لئے سامنے آ گیا۔ وہ بڑا بہادر اور شہ زور پہلوان تھا۔ دونوں میں پُر زور ٹکر ہوئی اور ہر ایک نے دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کئے۔ بالآخر حضرت علیؓ نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ باقی مشرکین اس قدر مرعوب ہوئے کہ بھاگ کر خندق کے پار چلے گئے۔

مشرکین نے خندق پار کرنے یا اسے پاٹ کر راستہ بنانے کی کئی بار کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ایسی پامردی سے اُن پر تیر برسائے کہ اُن کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔

کفار کی ذلت آمیز شکست اور واپسی

الحمدللہ! اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد کفار کے لشکر شکست کھا گئے اور اُنہیں ذلت کے ساتھ واپس لوٹنا پڑا۔ ہوا یہ کہ بنو غطفان کے ایک صاحب نُعیم بن مسعودؓ نبی اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن میری قوم کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ مجھے کوئی حکم فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسی حکمتِ عملی اختیار کرو کہ بنو قریظہ اور کفار کے لشکروں کے درمیان پھوٹ پڑ جائے اور وہ مل کر ہمارے خلاف اقدام نہ کر سکیں۔

حضرت نُعیمؓ فوراً ہی بنو قریظہ کے ہاں پہنچے۔ جاہلیت میں اُن سے ان کا بڑا میل جول تھا۔ وہاں پہنچ کر اُنہوں نے کہا، آپ لوگ جانتے ہیں کہ میرا آپ لوگوں سے ایک خصوصی تعلق رہا ہے۔ اُنہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت نعیمؓ نے کہا محاصرہ کرنے والے لشکروں کا معاملہ آپ سے مختلف ہے۔ یہ علاقہ آپ کا اپنا علاقہ ہے۔ یہاں آپ کا گھر بار ہے، مال و دولت ہے، بال بچے ہیں۔ آپ اسے چھوڑ کر کہیں اور نہیں جا سکتے۔ مگر قریش و غطفان باہر سے جنگ کرنے آئے ہیں۔ اُن کا بس چلا تو وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام کریں گے ورنہ بوریا بستر باندھ کر رخصت ہو جائیں گے۔ پھر یہاں آپ لوگ ہوں گے اور مسلمان۔ وہ جیسے چاہیں گے آپ سے انتقام لیں گے۔ قریش جب تک آپ لوگوں کو اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہ دیں، آپ اُن کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ قریظہ نے کہا آپ کی رائے بہت مناسب ہے۔

اس کے بعد حضرت نعیمؓ قریش اور غطفان کے سرداروں کے پاس پہنچے اور کہا بنو قریظہ مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی پر نادم ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ آپ لوگوں سے کچھ یرغمال حاصل کر کے اُن کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے اور پھر مسلمانوں سے اپنے تعلقات استوار کر لیں گے۔ لہٰذا اگر وہ یرغمال طلب کریں تو آپ ہرگز نہ دیں۔

اس کے بعد جب قریش نے بنو قریظہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہمیں اب مل کر ایک ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دینا چاہیے تو بنو قریظہ نے جواب دیا کہ آپ لوگ جب تک اپنے کچھ آدمی ہمیں بطور یرغمال نہ دے دیں ہم حملہ نہیں کریں گے۔ قریش اور غطفان کو یقین ہو گیا کہ حضرت نعیمؓ کا خدشہ درست تھا۔ انہوں نے یرغمال دینے سے انکار کر دیا اور اس طرح دونوں فریقوں کا اعتماد ایک دوسرے سے اُٹھ گیا۔ اُن کی صفوں میں پھوٹ پڑ گئی اور اُن کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ اس دوران مسلمان اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کر رہے تھے :

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَامِنْ رَوْعَاتِنَا

"اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون کر دے"۔ (بخاری)

اور رسول اللہ ﷺ یہ دُعا فرما رہے تھے :

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ

"اے اللہ! کتاب اتارنے والے اور جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دے۔

اے اللہ! انہیں شکست دے اور جھنجھوڑ کر رکھ دے"۔ (بخاری)

بالآخر اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی دُعائیں سن لیں۔ چنانچہ مشرکین کی صفوں میں پھوٹ پڑ جانے اور بددلی و پست ہمتی سرایت کر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن پر تند ہواؤں کا طوفان بھیج دیا جس نے اُن کی ہانڈیاں الٹ دیں، خیمے اکھاڑ دیئے اور کسی چیز کو قرار نہ رہا۔ اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جس نے اُنہیں ہلا ڈالا اور اُن کے دلوں میں رُعب اور خوف ڈال دیا۔ اللہ نے دشمن کو کسی خیر کے حصول کا موقع دیئے بغیر رسوا کر کے واپس لوٹا دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿ (الاحزاب : 9)

"اے اہلِ ایمان! اللہ کی اِس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم پر لشکر حملہ آور ہوئے تھے تو ہم نے اُن پر آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر بھیجے کہ جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے، اور اللہ دیکھ رہا تھا اُسے جو کچھ تم کر رہے تھے۔"

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿ (الاحزاب : 25)

"اور اللہ نے پھیر دیا کفار کو اُن کے دل کی جلن اور غصہ کے ساتھ، وہ کوئی خیر نہ پا سکے اور اللہ کافی ہوا اہلِ ایمان کی طرف سے قتال کے لئے اور اللہ بڑی قوت و اختیار والا ہے۔"

کفار کا یہ متحدہ محاذ قدرتِ الٰہی کا کاری وار سہہ نہ سکا اور صبح صادق سے قبل ہی ہر ایک نے اپنی اپنی راہ پکڑی۔ صبح جب مسلمان اُٹھے تو میدان خالی تھا۔ کفار نے اِس مہم کے لئے لئے جتنی سفارتی کوششیں کی تھیں، سفر کیے تھے، مال خرچ کیا تھا اور مشقت اُٹھائی تھی، سب کچھ برباد ہوگیا۔ اللہ نے اپنے لشکر کو عزت بخشی، اپنے بندوں کی مدد کی اور اکیلے ہی سارے لشکروں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔

غزوۂ بنو قریظہ

سورۃ الاحزاب میں غزوۂ احزاب کے ذکر کے بعد غزوۂ بنو قریظہ کا تذکرہ ہے۔ یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی عہد شکنی کی خبر جب نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے تحقیق کے لئے حضرت سعدؓ بن معاذ کے ساتھ چند ساتھیوں کو بھیجا۔ جب یہ لوگ بنو قریظہ کے قریب پہنچے تو انہیں انتہائی خباثت پر آمادہ پایا۔ اُنھوں نے گالیاں دیں اور نبی اکرم ﷺ کی توہین کی۔ صحابہؓ نے واپس آکر نبی اکرم ﷺ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

جس روز کفار کے لشکر لوٹ گئے تو آپ ﷺ گھر تشریف لے آئے۔ اُسی روز ظہر کے وقت

حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور فرمایا ''کیا آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیئے حالانکہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے۔ اُٹھیے اور اپنے رفقا کو لے کر بنو قریظہ کا رُخ کیجئے۔ آپ ﷺ نے اعلان کرادیا کہ جو شخص سمع وطاعت پر قائم ہے وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ فرمادیا۔

مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر تین ہزار ساتھیوں پر مشتمل اسلامی لشکر بنو قریظہ کے علاقہ میں پہنچا اور بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ بنو قریظہ ایک طویل عرصے تک محاصرہ برداشت کرسکتے تھے۔ اُن کے قلعے انتہائی مضبوط اور محفوظ تھے۔ اُن کے پاس وافر مقدار میں خوراک کا ذخیرہ تھا اور پانی کے کئی چشمے اور کنوئیں تھے۔ دوسری طرف مسلمان کھلے میدان میں تھے، خون منجمد کردینے والی سردی برداشت کررہے تھے، بھوک کی سختیاں جھیل رہے تھے اور غزوۂ احزاب میں مسلسل جنگی مصروفیات کے سبب تکان سے چُور چُور تھے۔ لیکن اللہ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ اُن کے حوصلے ٹوٹ گئے اور اُنہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کردیا۔ دورِ جاہلیت میں بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ آپ ﷺ نے اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ کو بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ غزوۂ احزاب کے دوران زخمی ہوگئے تھے۔ اُنہیں خصوصی طور پر فیصلہ کرنے کے لئے لایا گیا۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ ان کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ مردوں کو قتل کردیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور اموال مجاہدین میں تقسیم کردیئے جائیں''۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ یہ وہی فیصلہ ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

حضرت سعدؓ کا یہ فیصلہ انتہائی عدل وانصاف پر مبنی تھا کیوں کہ:

1- مسلمانوں نے غزوۂ احزاب میں دیکھ لیا کہ یہودی قبائل بنو قینقاع اور بنو نضیر کو عہد شکنی کی سزا کے طور پر مدینہ سے جلا وطن کیا گیا تو وہ گردوپیش کے سارے قبائل کو بھڑکا کر قریش کی سرکردگی میں تقریباً دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوگئے۔

2 - بنو قریظہ نے ایسے موقع پر عہد شکنی کی جب مسلمان موت وحیات کے نازک ترین لمحات سے دوچار تھے۔

3 - اُنہوں نے مسلمانوں کے خلاف اقدام کے لئے ڈیڑھ ہزار تلواریں، دو ہزار نیزے، تین سو زرہیں اور پانچ سو ڈھالیں مہیا کر رکھی تھیں، جن پر فتح کے بعد مسلمانوں نے قبضہ کیا۔

اس فیصلے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بنو قریظہ کے تمام جوان افراد کی گردنیں ماردی گئیں جن کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان تھی۔ آپ ﷺ کی پوری جد وجہد کے دوران اجتماعی قتلِ عام اور سخت ترین سزا کا یہی ایک واقعہ تھا جو بنو قریظہ کے ساتھ ہوا۔ سورہٗ احزاب میں غزوہٗ بنو قریظہ کا ذکر اس طرح ہوا :

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿﴾

”اور اللہ اتار لایا اہلِ کتاب میں سے اُن کو جنہوں نے حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا اُن کے قلعوں میں سے، اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، اُن کے ایک فریق کو تم قتل کر رہے اور ایک فریق کو اسیر بنا رہے ہو۔ اور اللہ نے تمہیں اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے اموال کا وارث بنادیا اور وہ علاقہ تمہیں دے دیا جسے ابھی تم نے قبضہ میں نہیں لیا (یعنی خیبر) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (الاحزاب : 26 - 27)

ایک اہم نکتہ :

نبی اکرم ﷺ نے بنو قریظہ کی طرف روانگی سے قبل ساتھیوں کو حکم دیا تھا کہ عصر کی نماز قریظہ کے علاقے میں جا کر پڑھیں۔ لشکر ابھی راستے ہی میں تھا کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔ اب ساتھیوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ ایک گروہ نے کہا نبی اکرم ﷺ کے حکم کا مقصود یہ نہیں تھا کہ ہم نماز قضا کر دیں بلکہ یہ تھا کہ ہم جلد از جلد روانہ ہو جائیں۔ لہٰذا اس گروہ نے راستے ہی میں عصر کی نماز پڑھ لی۔ دوسرے نے کہا ہم یہ نہیں جانتے کہ آپ ﷺ کے حکم کا مقصود کیا

تھا؟ ہم تو حکم کے الفاظ پر عمل کریں گے۔ لہٰذا انہوں نے بنو قریظہ کے علاقے میں پہنچ کر عصر کی قضا نماز ادا کی۔ جب یہ معاملہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے کسی بھی فریق کو غلط نہیں کہا۔

ہمارے ہاں دو مکاتبِ فکر ہیں۔ ایک مکتبِ فکر ہے اصحاب الرائے کا جو اجتہاد کے ذریعہ شریعت کے حکم کی حکمت وعلت جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور اُس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ دوسرے ہیں جو اصحاب الحدیث کہلاتے ہیں اور وہ ہر حکم کے ظاہری الفاظ کی پیروی کرنے کے قائل ہیں۔ مذکورہ بالا واقعہ سے ثابت ہوا کہ اگر نیت تعمیلِ حکم اور اتباعِ شریعت کی ہے تو دونوں فریق حق پر ہیں۔ لہٰذا ہمیں دل میں کشادگی پیدا کر کے، فقہی معاملات میں اِس طرح کے اختلافات کو برداشت کرنا چاہیئے۔

غزوۂ احزاب - ایک فیصلہ کن موڑ

غزوۂ احزاب کو نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد میں ایک فیصلہ کن موڑ (**Turning Point**) کی حیثیت حاصل ہے۔ غزوۂ احزاب میں کوئی خونریز معرکہ پیش نہیں آیا اور یہ درحقیقت ایک اعصاب کی جنگ ثابت ہوئی۔ اِس کے نتیجے میں مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور یہ واضح ہو گیا کہ عرب کی کوئی بھی قوت مسلمانوں کی اِس چھوٹی سی طاقت کو جو مدینے میں نشوونما پا رہی ہے ختم نہیں کر سکتی۔ غزوۂ احزاب میں کفار نے جتنی بڑی طاقت فراہم کی تھی، اب اُس سے بڑی طاقت فراہم کرنا عربوں کے بس کی بات نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے اِس غزوہ سے واپسی کے بعد ارشاد فرمایا:

اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَا، نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ (بخاری)

''اب ہم اُن پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے۔
اب ہمارا لشکر اُن کی طرف جائے گا۔''

غزوۂ احزاب کے بعد کے واقعات نے اِس ارشادِ نبوی ﷺ کی صداقت کو ثابت کر دیا۔

درسِ ہشتم: صلح حدیبیہ

فتح ونصرت کا آغاز

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ﴿۱﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ ۚ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۰﴾

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ وَاَثَابَہُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۲۷﴾ ہُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰىہُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ۫ سِیْمَاہُمْ فِیْ وُجُوْہِہِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُہُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ ۚ وَمَثَلُہُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۟ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی

سُوۡقِهٖ يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۲۹﴾

☆ تمہیدی نکات :

۱- منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ ہشتم "صلح حدیبیہ" کے پس منظر، حالات و واقعات اور نتائج کے بیان پر مشتمل ہے۔

۲- صلح حدیبیہ کے نام سے ایک معاہدہ سن ۶ ہجری میں مسلمانوں اور قریشِ مکہ کے درمیان منعقد ہوا۔قرآنِ حکیم میں سورۂ فتح تقریباً کل کی کل صلح حدیبیہ کے حالات و واقعات سے بحث کرتی ہے۔اس سورۂ مبارکہ کی چند آیات کی روشنی میں ہم اس صلح سے متعلق بعض اہم نکات کو سمجھیں گے۔

۳-عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دینِ حق کے غلبے کے اعتبار سے اہم ترین واقعہ فتح مکہ کا ہے، لیکن قرآنِ حکیم نے اس سے زیادہ اہمیت صلح حدیبیہ کو دی اور اس واقعہ پر ایک پوری سورۂ مبارکہ نازل ہوئی۔بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ فتحِ عظیم اور فتحِ مبین دراصل صلح حدیبیہ ہی تھی۔اس کے بعد حالات اس تیزی سے مسلمانوں کے حق میں تبدیل ہوئے کہ یہ صلح اُس فتح مکہ کی تمہید ثابت ہوئی جس کے نتیجے میں سرزمینِ عرب پر اسلام کا بول بالا ہوگیا۔

صلح حدیبیہ کا پس منظر

غزوۂ احزاب سن ۵ ہجری میں واقع ہوا۔یہ درحقیقت کفار کی طرف سے اِسلام کے خلاف فیصلہ کن اقدام کی ایک متحدہ کوشش تھی۔اس کے لئے اُنہوں نے اتنی بھرپور تیاری کی تھی کہ اب دوبارہ اسی طرح کا اہتمام کرنا ممکن نہیں تھا۔نبی اکرم ﷺ کا دستِ مبارک حالات کی نبض پر تھا۔آپ ﷺ نے اس صورتِ حال کا صحیح صحیح اندازہ کرلیا اور غزوۂ احزاب میں کفار کی رسوا کن پسپائی کے بعد اعلان فرمادیا کہ :

اَلْاٰنَ نَغْزُوْھُمْ وَلَا یَغْزُوْنَا، نَحْنُ نَسِیْرُ اِلَیْھِمْ (بخاری)

''اب ہم اُن پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے۔

اب ہمارا لشکر اُن کی طرف جائے گا۔''

سن ۶ ہجری میں اللہ نے آپ ﷺ کو خواب دکھلایا کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیت اللہ میں عمرہ ادا فرمارہے ہیں۔ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے۔ گویا خواب کے ذریعہ آپ ﷺ کو عمرہ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا۔ آپ ﷺ نے جب صحابہ کرامؓ کو اس خواب کی اطلاع دی تو اُنہیں بڑی مسرت ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ اور اطراف کی آبادیوں میں اعلان فرمادیا کہ لوگ آپ ﷺ کے ہمراہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوں۔ ذی القعدہ 6ھ میں آپ ﷺ چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ اس مبارک سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے صرف مسافرانہ ہتھیار ساتھ رکھے یعنی میان کے اندر بند تلواروں کے سوا اور کسی قسم کا ہتھیار نہیں لیا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ ﷺ نے قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے، اونٹوں کے کوہان چیر کر نشان بنایا اور عمرہ کا احرام باندھا تا کہ لوگوں کو اطمینان رہے کہ آپ ﷺ جنگ نہیں کریں گے۔ اس کے باوجود قریش نے جاہلی حمیت کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو عمرے کی ادائیگی سے روک دیا۔ البتہ وہ مسلمانوں کے جذبات صادق اور پختہ عزائم دیکھ کر صلح کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اسی صلح کو تاریخِ اسلام میں ''صلح حدیبیہ'' کہا جاتا ہے۔

مشرکین مکّہ کی طرف سے مزاحمت

قریش کو جب رسول اللہ ﷺ کی مکہ کی طرف آمد کا علم ہوا تو اُن کے لئے صورتِ حال بڑی نازک بن گئی۔ اگر وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخلے کی اجازت دیتے ہیں تو گویا ایسا کرنا مسلمانوں کے دین کی بھی دیگر ادیان کی طرح الگ حیثیت تسلیم کرنے کے مترادف ہوگا۔ یہ قریش کے لئے کھلی شکست تھی جسے قبول کرنے کے لئے اُن کی جھوٹی انا تیار نہ تھی۔ اگر قریش مسلمانوں کو عمرے کی ادائیگی سے روکتے ہیں تو پورے عرب میں بدنامی ہوتی ہے کہ اُنہوں

نے ایسی جماعت کو عمرے سے روکا ہے جو بغیر ہتھیاروں کے حالتِ احرام میں عمرے کے لئے آئی تھی۔ اس مسئلہ پر انہوں نے مشاورت کی اور بالآخر یہ طے کیا کہ جیسے بھی ممکن ہو مسلمانوں کو بیت اللہ سے دُور رکھا جائے۔ اس مقصد کے لئے اُنہوں نے خالد بن ولید کو، جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، دو سو سواروں کے دستہ کے ساتھ بھیجا۔

مسلمان مکہ جانے والی مرکزی شاہراہ پر چلتے رہے اور اُنہیں قریش کے عزائم کی اطلاع مل گئی۔ ایک مقام پر رک کر مسلمان نمازِ ظہر ادا کر رہے تھے کہ خالد بن ولید اپنے دستہ کے ساتھ آپہنچے۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ مسلمان رکوع اور سجدے کر رہے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ لوگ غافل تھے ہم نے حملہ کر دیا ہوتا تو اُنہیں مار لیا ہوتا۔ اُنہوں نے طے کیا کہ عصر کی نماز میں مسلمانوں پر اچانک ٹوٹ پڑیں گے۔ اللہ نے اسی دوران صلوٰۃ الخوف (حالتِ جنگ کی مخصوص نماز) کا حکم سورۂ نساء کی آیت **102** میں نازل فرما دیا اور خالد بن ولید کے ہاتھ سے اقدام کا موقع جاتا رہا۔

آپ ﷺ نے جب دیکھا کہ مکہ کی طرف جانے والی مرکزی شاہراہ پر قریش کا دستہ راستہ روکنے کے لئے کھڑا ہے تو آپ ﷺ نے اپنے راستہ میں تھوڑی سی تبدیلی کی اور آگے جا کر حدیبیہ کی وادی میں ایک چشمہ کے قریب پڑاؤ ڈالا۔

قریش کی طرف سے ایلچیوں کی آمد

رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال چکے تو بنو خزاعہ کا سردار بُدیل بن ورقاء اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اُسے قریش کے لئے پیغام دیا کہ :

"ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ قریش کو لڑائیوں نے تھکا دیا ہے اور سخت ضرر پہنچایا ہے۔ اس لئے اگر وہ چاہیں تو میں اُن سے ایک مدت طے کر لوں اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ پھر میرے غلبے کی صورت میں جس چیز (میری اطاعت) میں لوگ داخل ہوں گے اُس میں وہ بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ ورنہ مدت کے

اختتام تک وہ تازہ دم تو ہو ہی چکے ہوں گے۔ اگر اُنہیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں اپنے دین کے معاملے میں اُن سے اُس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گردن جدا نہ ہو جائے یا جب تک اللہ اپنا امر نافذ نہ کردے''۔

اِس کے بعد بنو کنانہ کا ایک فرد حلیس بن علقمہ ایلچی بن کر آیا۔ نبی اکرم ﷺ نے جب اُسے دیکھا تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''یہ شخص ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ہدی (قربانی) کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے، لہٰذا جانوروں کو کھڑا کردو''۔ صحابہ کرامؓ نے جانوروں کو کھڑا کردیا اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اُس کا استقبال کیا۔ اُس شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا، سبحان اللہ! اِن لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس چلا گیا اور بولا میں نے ہدی کے جانور دیکھے ہیں جن کے گلوں میں قلادے ہیں اور جن کے کوہان چیرے ہوئے ہیں۔ اِس لئے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اُنہیں بیت اللہ سے روکا جائے۔ قریش اُس کی باتوں سے خوش نہ ہوئے۔

آخرکار قریش نے ایک بڑے زیرک سردار عروہ بن مسعود ثقفی کو صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دورانِ گفتگو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے تعلقِ خاطر کے مناظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب وہ اپنے رفقاء کے پاس واپس آیا تو بولا:

''اے قوم! بخدا میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں، بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اُس کے ساتھی اُس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد کے ساتھی محمد کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! وہ تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر تھوک پڑتا تھا اور وہ شخص اِسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا۔ جب وہ کوئی حکم دیتے تھے تو اُس کی بجاآوری کے لئے سب دوڑ پڑتے تھے۔ جب وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وضو

کے پانی کے لئے لوگ لڑ پڑیں گے۔ جب کوئی بات بولتے تھے، سب آوازیں پست کر لیتے تھے۔ وہ فرطِ تعظیم کے سبب اُنہیں بھرپور نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ اُنہوں نے تمہارے سامنے ایک اچھی تجویز پیش کی ہے لہٰذا اُسے قبول کر لو‘‘۔

مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی کوشش

جب قریش کے پُر جوش نوجوانوں نے دیکھا کہ اُن کے بڑے صلح کی طرف مائل ہیں تو اُنہوں نے صلح میں ایک رخنہ اندازی کا پروگرام بنایا۔ طے کیا کہ رات کو یہاں سے نکل کر چپکے سے مسلمانوں کے کیمپ میں گھس جاؤ اور ایسا ہنگامہ برپا کرو کہ جنگ کی آگ بھڑک اُٹھے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں ستر یا اسی نوجوانوں نے مسلمانوں کے کیمپ میں چپکے سے گھسنے کی کوشش کی۔ پہرے پر مامور صحابہؓ کے کمانڈر حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ بعد میں نبی اکرم ﷺ نے صلح کی خاطر ان سب کو معاف کرتے ہوئے آزاد کر دیا۔ اسی بارے میں اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

هُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ
مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ (الفتح: 24)

’’وہی ہے (اللہ) جس نے مکہ کی وادی میں اُن کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روکے، اس کے بعد کہ وہ تم کو اُن پر قابو دے چکا تھا‘‘

حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ اور بیعتِ رضوان

نبی اکرم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ ایک سفیر روانہ فرمائیں جو قریش کے سامنے وضاحت کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد کا مقصد اور صلح کی تجویز بیان کر دے۔ اس مقصد کے لئے حضرت عثمانؓ کو آپ ﷺ نے منتخب فرمایا۔ سعید بن عاص نامی ایک شخص اپنی پناہ میں آپؓ کو مکہ لے گیا۔ وہاں جا کر آپؓ نے سربراہانِ قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا۔ اس سے فارغ ہو چکے تو قریش نے پیشکش کی آپؓ بیت اللہ کا طواف کر لیں مگر آپؓ نے یہ پیشکش مسترد کر دی

اور یہ گوارا نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طواف کرنے سے پہلے خود طواف کرلیں۔

حضرت عثمانؓ اپنی سفارت کی مہم پوری کر چکے تھے لیکن قریش نے اُنہیں اپنے پاس روک لیا۔ غالباً وہ چاہتے تھے کہ پیش آمدہ صورتِ حال پر باہم مشورہ کر کے کوئی قطعی فیصلہ کرلیں اور حضرت عثمانؓ کو اُن کے لائے ہوئے پیغام کا جواب دے کر واپس کریں۔ حضرت عثمانؓ کے دیر تک رُکے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اُنہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ کو شدید رنج ہوا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے بیعت کی دعوت دی۔ صحابہ کرامؓ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور باری باری صحابہؓ نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ جان دے دیں گے لیکن میدانِ جنگ چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ ایک منافق جد بن قیس کے علاوہ تمام صحابہؓ نے بیعت کی۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنا ہاتھ پکڑ کر فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور اُن کی طرف سے بھی بیعت کی۔ جب بیعت مکمل ہو چکی تو حضرت عثمانؓ بھی آگئے اور اُنہوں نے بھی بیعت کی۔ اس بیعت کو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے اور اسی کا ذکر اللہ نے سورۂ فتح میں دوبار کیا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۚ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۰﴾

"بے شک جو لوگ (اے نبیؐ) آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ دراصل اللہ کے ساتھ بیعت کر رہے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں کے اُوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر جس نے عہد کو توڑا تو اس کا وبال اُسی پر ہوگا اور جو اُس بات کو جس کا اُس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اُسے عنقریب اجرِ عظیم دے گا۔" (الفتح: 10)

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

"اللہ راضی ہو گیا اُن مومنوں سے جو (اے نبیؐ) آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے"۔ (الفتح: 18)

صلح اور اُس کی یک طرفہ شرائط

قریش کو جب مسلمانوں کی اِس بیعت علی الموت کی اطلاع ملی تو وہ انتہائی مرعوب ہو گئے اور اُنھوں نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر لی۔ اب اُنھوں نے صلح کے معاملات طے کرنے کے لئے اپنے ایک سردار سہیل بن عمرو کو روانہ کیا۔ سہیل نے آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر دیر تک گفتگو کی اور آخر کار صلح کے لئے حسبِ ذیل دفعات طے ہو گئیں :

1- مسلمان اِس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال عمرے کے لئے آئیں گے اور مکہ میں تین روز قیام کریں گے۔

2- ہر قبیلہ کو اختیار ہو گا کہ وہ اگر چاہے تو مسلمانوں کا حلیف بن جائے یا قریش کا حلیف بن جائے۔ جو قبیلہ جس فریق کا حلیف ہو گا، اُسی کا ایک جزو سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسے کسی قبیلے پر زیادتی ہوئی تو خود اُس فریق پر زیادتی متصور ہو گی۔

3- قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر یعنی بھاگ کر مدینہ جائے گا، مسلمان اُسے واپس کر دیں گے لیکن جو شخص مدینہ سے بھاگ کر پناہ کی غرض سے مکہ آئے گا، اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

4- صلح کا یہ معاہدہ دس سال تک جاری رہے گا۔ فریقین جنگ بند رکھیں گے اور ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔

ابو جندلؓ کی آمد

صلح کی شرائط طے ہو گئیں اور اب اُنہیں لکھنے کی تیاری ہو رہی تھی کہ عین اُس وقت سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندلؓ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے آ پہنچے۔ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور اہلِ مکہ نے اُنہیں قید کر رکھا تھا۔ اُنہوں نے حدیبیہ پہنچ کر مسلمانوں کے سامنے قریش کے ظلم و ستم کی فریاد کی۔ سہیل نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں آپ ﷺ سے مطالبہ

کرتا ہوں کہ اِسے صلح کے مطابق واپس کر دیں۔آپ ﷺ نے فرمایا ابھی تو ہم نے صلح نہیں لکھی۔اُس نے کہا اِسے واپس کر دیں ورنہ میں آپ ﷺ سے صلح کا معاملہ نہیں کروں گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اِسے میری خاطر چھوڑ دو۔اُس نے انکار کر دیا اور ابو جندلؓ کے چہرے پر طمانچہ مارا اور اُن کے کرتے کا گلا پکڑ کر مشرکین کی طرف گھسیٹا۔ ابو جندلؓ زور زور سے چیخ کر کہنے لگے مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنے میں ڈالیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ابو جندلؓ! صبر کرو اور اسے باعثِ ثواب سمجھو۔ اللہ تمہارے لئے اور تمہارے ساتھ جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں، اُن سب کے لئے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے اور ہم نے اُن کو اور اُنہوں نے ہم کو اِس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے، اس لئے ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔''

حضرت علیؓ کی حمیتِ دینی

صلح کی شرائط تحریر کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو بلایا گیا۔آپ ﷺ نے اُن سے کہا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اِس پر سہیل نے کہا ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ لہٰذا لکھا جائے باسمک اللّٰھُمَّ (اے اللہ تیرے نام سے)۔آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہی لکھو۔ اِس کے بعد آپ ﷺ نے املا کرایا کہ یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسول اللہ نے مصالحت کی۔ اِس پر سہیل نے کہا اگر ہم مانتے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ ﷺ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے۔ لہٰذا آپ محمد بن عبد اللہ لکھوایئے۔آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ۔ پھر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ محمد بن عبد اللہ لکھیں اور ''رسول اللہ'' کے الفاظ مٹا دیں۔لیکن حضرت علیؓ نے دینی حمیت کی وجہ سے گوارا نہ کیا کہ اِن الفاظ کو مٹائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ وہ الفاظ کہاں ہیں اور پھر اپنے دستِ مبارک سے ''رسول اللہ'' کے الفاظ مٹا دیے۔ اِس کے بعد پوری دستاویز لکھی گئی۔

مسلمانوں کی ہیجانی کیفیت

صلح کی یک طرفہ شرائط سے مسلمان صاف محسوس کر رہے تھے کہ کفار سے مصالحت کسی قدر دب کر کی جارہی ہے۔پھر ابو جندلؓ کے واقعہ اور صلح کو تحریر کرنے کے دوران سہیل کے اعتراضات نے مسلمانوں کے اضطراب و بے چینی کو اور بڑھا دیا۔ دو باتوں کی وجہ سے مسلمانوں کو شدید صدمہ تھا۔ایک یہ کہ مسلمان اتنے قریب آ کر بیت اللہ کی زیارت، طواف اور عمرہ کی ادائیگی سے محروم ہو رہے تھے۔دوسرے یہ کہ نبی اکرم ﷺ اللہ کے رسول ہیں، حق پر ہیں اور اللہ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا وعدہ کیا ہے۔پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے قریش کا دباؤ قبول کیا اور دب کر صلح کی؟ یہ دونوں باتیں ذہنوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات اور گمان و وسوسے پیدا کر رہی تھیں۔

سب سے زیادہ غم حضرت عمرؓ بن خطاب کو تھا۔اُنہوں نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم لوگ حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔اُنہوں نے کہا کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور اُن کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔اُنہوں نے کہا تو پھر کیوں ہم اپنے دین کے بارے میں دباؤ قبول کریں اور ایسی حالت میں پلٹیں کہ ابھی اللہ نے ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خطاب کے صاحبزادے! میں اللہ کا رسول ہوں اور اُس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔وہ میری مدد کرے گا اور مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا''۔ اُنہوں نے کہا، کیا آپ ﷺ نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور اُس کا طواف کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال کریں گے؟ اُنہوں نے کہا نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا تم بیت اللہ تک ضرور پہنچو گے اور اُس کا طواف کرو گے۔

حضرت عمرؓ ساری زندگی نبی اکرم ﷺ سے اپنے اس طرزِ گفتگو پر افسوس کرتے رہے لیکن اُن

کے یہ جذبات درحقیقت غیرتِ ایمانی اور حق کے لئے حمیت کا مظہر تھے۔ خود اُن کا بیان ہے کہ میں نے اُس روز جو غلطی کی تھی اور جو بات کہہ دی تھی، اُس سے ڈر کر میں نے بہت سے اعمال کئے۔ برابر صدقہ وخیرات کرتا رہا، روزے رکھتا رہا، نوافل پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا، یہاں تک کہ اب مجھے خیر کی اُمید ہے۔

مجموعی طور پر تمام مسلمانوں کے شدتِ جذبات کا یہ عالم تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ صلح کی شرائط لکھوا کر فارغ ہو چکے تو فرمایا اُٹھو اور اپنے اپنے جانور قربان کر دو لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی مگر پھر بھی کوئی نہ اُٹھا۔ آپ ﷺ اپنے خیمہ میں اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ ؓ کے پاس گئے اور ساتھیوں کے طرزِ عمل کا شکوہ کیا۔ اُنہوں نے عرض کی کہ آپ ﷺ اپنا جانور ذبح کر دیجئے اور اپنا سر حلق کرا لیجئے اور احرام کھول دیجئے۔ جب آپ ﷺ نے ایسا کر لیا تو اب لوگوں نے بھی اپنے اپنے جانور ذبح کر دیئے، سر حلق کرائے اور احرام کی حالت سے نکل آئے۔ دراصل لوگ حالتِ منتظرہ میں تھے۔ اُنہیں امید سی تھی کہ شائد عمرہ ادا کرنے کی کوئی سبیل پیدا ہو جائے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے احرام کھول دیا تو اب تمام امیدیں ختم ہو گئیں اور سب نے آپ ﷺ کی پیروی کی۔

مسلمان انتہائی غم ویاس کے ساتھ مدینہ واپس روانہ ہوئے تو اللہ کی طرف سے اُن کی دلجوئی کے لئے سورۂ فتح نازل ہوئی جس کا آغاز اِن الفاظ سے ہوا:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ﴿۱﴾

''(اے نبیؐ!) ہم نے آپؐ کو فتح عطا فرمائی، ایک کھلی فتح''۔

صلح حدیبیہ - فتحِ مبین

نبی اکرم ﷺ نے بظاہر قریش کے سامنے دب کر صلح کی تھی لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد ثابت ہو گیا کہ یہ صلح مسلمانوں کے حق میں ''فتحِ مبین'' ثابت ہوئی۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات کا رُخ کس درجے نبی اکرم ﷺ پر روشن تھا۔ اِس صلح کو بلاشبہ آپ ﷺ کے تدبر وفراست کا

شاہکار قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس صلح سے مسلمانوں کو جو ثمرات حاصل ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

1- اس صلح سے قبل قریش کے نزدیک مسلمانوں کی حیثیت قریش اور قبائلِ عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی۔ وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے۔ اُنہیں امید تھی کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔ اس پس منظر میں دیکھیے تو قریش کا صلح کی جانب محض جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس حقیقت کو تسلیم کرنا تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اب خود قریش نے مسلمانوں سے معاہدہ کر کے عرب میں اسلامی ریاست کا وجود باقاعدہ تسلیم کرلیا اور تمام عرب قبائل کے لئے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدات کرلیں۔

2- مسلمانوں کے لئے بیت اللہ کی زیارت کا حق تسلیم کر کے قریش نے آپ سے آپ گویا یہ بھی مان لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے، جیسا کہ وہ اب تک کہتے چلے آرہے تھے بلکہ عرب کے مسلّمہ ادیان میں سے ایک ہے اور دوسرے عربوں کی طرح اس کے پیروکار بھی حج وعمرہ کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس سے اہلِ عرب کے دلوں کی وہ نفرت کم ہوگئی جو قریش کے پروپیگنڈے سے اسلام کے خلاف پیدا ہوگئی تھی۔

3- اس صلح کی وجہ سے مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کے درمیان ہر طرح کے میل جول کے راستے کھل گئے۔ لوگوں کی آمدورفت ہوئی۔ مکہ میں جو غلط فہمیاں نبی اکرم ﷺ اور اسلام کے بارے میں تھیں وہ دور ہونے لگیں۔ مسلمانوں نے قریش کو اسلام کے روحانی، ذہنی، علمی، اخلاقی اور مادی فیوض کا حال بتایا۔ اس کے نتیجہ میں مکہ کے اہم لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ انہی لوگوں میں سے جب جب حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت عثمانؓ بن طلحہ اور حضرت عمروؓ بن العاص ایمان لائے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کردیا ہے۔“

4- قریش جزیرۃ العرب کے دینی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ اس صلح کے ذریعہ تسلیم کرلیا گیا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں لوگوں کو مکمل آزادی حاصل ہے۔ اپنی آزاد مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان ہو اور جو چاہے کافر رہے۔ اس آزادی سے مسلمانوں نے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور اُنہیں دعوت وتبلیغ کے لئے وسیع مواقع میسر آ گئے۔ وہ اصحاب صفہ جن کی تربیت مسجد نبوی ﷺ میں ہو رہی تھی، اب اُن کے وفود تشکیل دیئے گئے اور جزیرہ نمائے عرب کے طول وعرض میں تبلیغی سرگرمی اپنے پورے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ دو سال کے دوران مسلمانوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ سن ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہؓ تھے لیکن سن ۸ ہجری میں قریش کی عہد شکنی کے بعد جب آپ ﷺ مکہ پر حملے کے لئے تشریف لائے تو آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرامؓ تھے۔

5- اس صلح نے قریش کے ہاتھ باندھ دیے اور مسلمانوں کے کھول دیے۔ غزوۂ احزاب میں بنو غطفان اور خیبر کے یہود نے مسلمانوں کے خلاف قریش کے ساتھ ایک متحدہ محاذ بنایا تھا۔ اب بڑے دشمن سے صلح کے بعد مسلمانوں نے ان چھوٹے دشمنوں پر بھرپور وار کیا۔ غطفان کی قوت کو منتشر کر دیا گیا اور سن ۷ ہجری میں یہودیوں کو شرمناک شکست دے کر خیبر کے علاقے کو فتح کر لیا گیا۔

6- صلح حدیبیہ کی یہ دفعہ مسلمانوں کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی بھاگ کر مدینہ آئے گا تو مسلمان اُسے واپس کر دیں گے لیکن جو شخص مدینہ سے بھاگ کر مکہ جائے گا، اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ حالات کچھ ایسے ہوئے کہ قریش کو خود صلح کی اس دفعہ کو ختم کرنے کی درخواست کرنی پڑی۔

ابو بصیرؓ نام کے ایک صحابیؓ، جنہیں مکہ میں اذیتیں دی جا رہی تھیں، بھاگ کر مدینہ آ گئے۔

قریش نے اُن کی واپسی کے لئے دو آدمی بھیجے اور نبی اکرم ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان جو عہد و پیمان ہے اُس کے مطابق ابو بصیرؓ کو ہمارے آدمیوں کے حوالے کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے ابو بصیرؓ کو اُن کے حوالے کر دیا۔ راستہ میں ابو بصیرؓ نے ایک شخص کی تلوار قبضہ میں لے کر اُس کو مار دیا اور دوسرا بھاگ گیا۔

ابو بصیرؓ مدینہ سے باہر اب ساحلِ سمندر پر آ کر رہنے لگے۔ کچھ روز بعد ابو جندلؓ بن سہیل بھی بھاگ کر ابو بصیرؓ سے آ ملے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی اسلام لا کر بھاگتا وہ ابو بصیرؓ سے آملتا۔ یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اس کے بعد ان لوگوں کو ملک شام آنے جانے والے قریش کے کسی بھی تجارتی قافلے کا پتا چلتا تو وہ اُس سے ضرور چھیڑ چھاڑ کرتے اور قافلے والوں کا مال لوٹ لیتے۔ قریش نے تنگ آ کر نبی اکرم ﷺ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس بلا لیں اور صلح کی مذکورہ بالا دفعہ کو کالعدم سمجھیں۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ابو بصیرؓ اور اُن کے ساتھیوں کو مدینہ بلوا لیا۔

سورۃ الفتح کا آخری رکوع

سورۂ فتح کے ابتدائی تین رکوعوں میں پچھلے واقعات پر بھرپور تبصرہ اور مستقبل کے حوالے سے حوصلہ افزا بشارتیں وارد ہوئی ہیں۔ ان بشارتوں میں خیبر کی قریبی فتح اور کثرت سے مالِ غنیمت کے حصول کی خوشخبری شامل ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو جو کچھ ملے گا، وہ اس وقت ان کی طاقت سے باہر ہے لیکن اللہ نے اُسے گرفت میں لے کر محفوظ کر لیا ہے۔ پھر بتایا کہ اگرچہ مشرکینِ مکہ کو تم آج بھی شکست دے سکتے تھے لیکن اُن کے درمیان ایسے مرد و خواتین گھرے ہوئے تھے جو مخفی طور پر اسلام قبول کر چکے تھے۔ اب اگر جنگ ہو جاتی تو تم اُن کو بھی دشمن سمجھ کر نشانہ بناتے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی ہوئی کہ اُس نے دونوں گروہوں کو ٹکراؤ سے روکا۔ خصوصاً وہ لمحہ یاد دلایا گیا کہ جب کفر کی جانب سے جاہلی حمیت کا بڑا کڑا مظاہرہ کیا

گیا تھا اور اُنہوں نے ''الرحمٰن الرحیم'' اور ''رسول اللہ'' کے الفاظ کی کتابت تک گوارا نہ کی۔ ابو جندلؓ کے معاملہ میں انتہائی ضد سے کام لیا۔ جب ایک فریق اس طرح کا ٹیڑھا رویہ اختیار کرلیتا ہے تو پھر دوسری طرف بھی نرم اور ٹھنڈے جذبات بر سرِ کار نہیں آسکتے۔ لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ رسول ﷺ اور تمام مسلمانوں پر اُس نے سکینت نازل فرمائی، جذبات پر قابو دیا اور تقویٰ و احتیاط کے اصول پر کاربند رکھا۔ بلاشبہ یہ لوگ مشرکین کے مقابلے میں اسی شان کے مستحق اور اہل تھے۔ اگر اِدھر سے بھی اشتعال سے کام لیا جاتا تو تصادم ہوجاتا اور وہ ساری مصلحتیں ختم ہوجاتیں جو نہایت آسانی سے حاصل ہو رہی تھیں۔ اِس کے بعد آخری رکوع کی تین آیات (27 تا 29) میں اہم مضامین وارد ہوئے ہیں۔

☆ آیت : 27 :

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ -- بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا خواب سچا کر دکھایا -- لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ -- تم یقیناً داخل ہوگے مسجدِ حرام میں، اگر اللہ نے چاہا، پورے امن کی حالت میں -- مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ -- اپنے سروں کو مونڈتے ہوئے بھی اور بال ترشواتے ہوئے بھی، اِس حالت میں کہ تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا -- فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا -- تو اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم نہیں جانتے -- فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿﴾ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ ایک قریبی فتح کا سامان کر دیا''۔

- نبی اکرم ﷺ جب عمرے کی ادائیگی کے بغیر واپس آئے تو بعض لوگوں کے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ عمرے کی ادائیگی کے حوالے سے آپ ﷺ کا خواب تو جھوٹا ہوگیا۔ اِس آیت نے مغالطے کو دُور کیا اور وضاحت کردی کہ نبی اکرم ﷺ کا خواب اللہ نے سچ کر دکھایا۔ مشرکینِ مکہ کے ساتھ طے ہوگیا کہ آئندہ سال مسلمان عمرہ ادا کریں گے اور مشرکین اُن کی راہ میں حائل نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اگلے سال

ذوالقعدۃ سن ۷ ہجری میں مسلمانوں نے عمرہ کیا جسے عمرۂ قضاء کہتے ہیں۔

- اس آیت میں ایک اور پیشگوئی یہ کی گئی کہ عنقریب مسلمانوں کو ایک اور فتح حاصل ہوگی۔ یہ اصل میں فتحِ مکہ کی طرف اشارہ ہے۔ عمرے کی ادائیگی کے اگلے ہی سال یہ پیشگوئی بھی درست ثابت ہوئی اور رمضان سن ۸ ہجری میں مسلمانوں کو فتحِ مکہ کی خوشی نصیب ہوئی۔

☆ آیت : 28 :

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ -- وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو -- بِالْهُدٰى -- کامل ہدایت کے ساتھ -- وَدِيْنِ الْحَقِّ -- اور سچے دین کے ساتھ -- لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ -- تا کہ وہ اُس کو غالب کر دیں کل نظامِ زندگی پر -- وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿﴾ اور کافی ہے اللہ گواہی دینے والا۔

اس آیت کے اکثر حصہ پر تفصیلی بحث سورۂ صف کے درس کے دوران آیت 9 کے ذیل میں ہو چکی ہے۔ وہاں آیت کے آخر میں الفاظ تھے وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (اور چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے) جبکہ یہاں الفاظ آئے ہیں وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (اور کافی ہے اللہ گواہی دینے والا)۔ گویا صلح حدیبیہ کے بعد جبکہ مسلمانوں پر مایوسی طاری تھی، اللہ نے یقین دہانی کرادی کہ آخری کامیابی ہمارے رسول ﷺ ہی کو حاصل ہوگی کیونکہ انہیں بھیجا ہی گیا ہے دینِ حق کے غلبہ کے لئے اور اللہ خود اس پر ضامن ہے۔

☆ آیت : 29 :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ -- محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں -- وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ -- اور وہ لوگ کہ جو اُن کے ساتھ ہیں -- اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ -- کفار کے مقابلے میں بڑے سخت ہیں -- رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ -- آپس میں انتہائی نرم ہیں -- تَرٰىهُمْ رُكَّعًا

سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا -- تم اُنہیں دیکھتے ہو رکوع کرتے اور سجدہ کرتے ہوئے، وہ اللہ کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں -- سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ -- اُن کی نشانی ہے اُن کے چہروں میں سجدوں کے اثرات -- ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ -- یہ اُن کی مثال ہے تورات میں -- وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ -- اور انجیل میں اُن کی مثال ہے -- كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ -- اُس کھیتی کے مانند جو پہلے اپنی سوئی نکالتی ہے -- فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ -- پھر اُس کی کمر کو مضبوط کرتی ہے، پھر ذرا موٹی ہوتی ہے، پھر کھڑی ہو جاتی ہے اپنی نال پر -- يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ -- کاشت کار کو وہ بڑی بھلی لگتی ہے -- لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ -- تا کہ دلوں میں جلن پیدا ہو جائے کفار کے -- وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿﴾ اُن لوگوں سے جو ایمان اور عملِ صالح کے معیار پر پورا اترے ہیں، اللہ نے مغفرت اور شاندار بدلے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اِس آیت میں اللہ کے رسول ﷺ کے اُن ساتھیوں کے محاسن بیان ہوئے ہیں جن کی قربانیوں کے طفیل فتح مبین حاصل ہوئی۔ یہ محاسن حسب ذیل ہیں :

1 - اُن کی محبت اور دشمنی کا معیار ایمان ہے۔ جو شخص صدقِ دل سے ایمان لانے کے بعد دین کی سربلندی کے لئے مال و جان لگا رہا ہے وہ اُنہیں انتہائی محبوب ہے خواہ اُس کا تعلق کسی رنگ، نسل یا علاقے سے ہو۔ جو دین کا دشمن ہے اُس سے اُنہیں انتہائی نفرت ہے خواہ وہ اُن کا خونی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ سورۂ مائدہ میں یہ صفات اِس طرح بیان ہوئیں :

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ا (المائدۃ : 54)

"وہ اہلِ ایمان کے حق میں بہت ہی نرم ہیں لیکن کافروں کے لئے بہت سخت ہیں۔"

بقول اقبال:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

ان صفات کے حاملین کے لئے خوشخبری ہے کہ:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَدّٰی لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ

''جس نے محبت کی اللہ کے لئے اوردشمنی کی اللہ کے لئے اوردیا اللہ کے لئے اور روکا اللہ کے لئے، اس نے ایمان کی تکمیل کرلی۔'' (ابوداؤد،ترمذی)

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کافروں کے ساتھ سختی اور تندخوئی سے پیش آتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی پختگی، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمانی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ موم کی ناک نہیں ہیں کہ انہیں کافر جدھر چاہیں موڑ دیں۔ وہ نرم چارہ نہیں ہیں کہ کافر انہیں آسانی کے ساتھ چبا جائیں۔ اُنہیں کسی خوف سے دبایا نہیں جاسکتا۔ اُنہیں کسی ترغیب سے خریدا نہیں جاسکتا۔ کافروں میں یہ طاقت نہیں ہے کہ انہیں اُس مقصدِ عظیم سے ہٹادیں جس کے لئے وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر محمد ﷺ کا ساتھ دینے کے لئے اٹھے ہیں۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مظاہرہ صحابہؓ نے اس طرح بھی کیا کہ غزوات کے دوران حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے باپ کو، حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو، حضرت عمرؓ بن الخطاب نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ بن الحارث نے اپنے اقارب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے جو مخلص مسلمان تھے، ایک موقع پر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو میں اپنے باپ کا سر

کاٹ کر خدمت میں حاضر کر دوں لیکن آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔

صحابہ کرامؓ کی رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ کی شان، اللہ نے اِن الفاظ میں بھی بیان فرمائی کہ :

وَیُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ وَلَوۡ کَانَ بِہِمۡ خَصَاصَۃٌ (الحشر : 9)

''وہ (انصاری صحابہؓ) اُن (مہاجر صحابہؓ) کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں
خواہ خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں۔''

مندرجہ ذیل احادیثِ قدسیہ میں اُن لوگوں کے لئے جو صرف اللہ ہی کی خاطر باہم محبت کرتے ہیں عظیم خوشخبریاں بیان ہوئی ہیں :

وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ
وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ (ابوداؤد)

''واجب ہوگئی میری محبت اُن کے لئے جو میری وجہ سے باہم محبت کرتے ہیں، میری وجہ
سے باہم مل کر بیٹھتے ہیں، میری وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت کے لئے آتے ہیں
اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔''

اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْیَوْمَ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ
یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ (مسلم)

''بے شک اللہ روزِ قیامت فرمائے گا کہاں ہیں وہ جو میرے جلال کی خاطر باہم محبت
کرتے تھے؟ آج میں اُنہیں اپنے سایہ میں مقام دوں گا جبکہ اس دن میرے سائے کے
سوا کوئی سایہ نہیں۔''

نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد میں باہم محبت کرنے کی ترغیب اِن الفاظ میں بیان ہوئی :

لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا، اَوَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی
شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ (مسلم)

''تم جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک ایمان پر قائم نہ رہو، اور ایمان پر قائم نہیں رہ سکتے

جب تک باہم محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں بتاؤں وہ عمل کہ جسے اختیار کر کے تم باہم محبت پیدا کر سکتے ہو؟ ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو۔"

2- بندوں سے تعلق کے بعد اب صحابہ کرامؓ کے اللہ سے تعلق کی کیفیت بیان ہوئی کہ تَـرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یعنی اُن کی تمام محنتوں اور سرگرمیوں کا مقصد وحید صرف اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہے اور اس کے لئے وہ کثرت سے نوافل کا اہتمام کرتے ہیں۔ نوافل میں صحابہ کرامؓ سحر کے وقت نمازِ تہجد کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ یہ وقت اللہ کی رضا کے حصول کے لئے انتہائی اہم ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ سماء دنیا پر اپنی خصوصی تجلیات کا ظہور فرما کر ندا لگاتا ہے کہ:

"ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اُس کی دعا پوری کروں، ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اُس کو عطا کروں؟ ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اُس کو بخش دوں۔" (مسلم)

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ آتے ہی صحابہ کرامؓ کو پہلی نصیحت یہ فرمائی تھی کہ:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ، وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْاَرْحَامَ، وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (ترمذی)

"اے لوگو! کثرت سے سلام کیا کرو، اور کھانے کھلاؤ، اور صلہ رحمی کرو، اور اُس وقت نماز پڑھو جب لوگ سوتے ہیں، تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے پوری سلامتی کے ساتھ۔"

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ سے مراد وہ انوار ہیں جو عبدیت اور خشوع و خضوع سے ہر متقی عبادت گزار کے چہرہ پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ البتہ صحابہ کرامؓ کے چہروں کی کیفیت تو یہ تھی کہ اُن کو دیکھتے ہی محسوس ہوتا تھا کہ یہ خیر الخلائق ہیں اور اللہ سے محبت کا نور اُن کے چہروں پر چمک رہا ہوتا تھا۔ یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابۂ کرامؓ کی فوجیں شام کی سرزمین میں داخل ہوئیں تو شام کے عیسائی کہتے تھے کہ مسیحؑ کے حواریوں کی جو شان ہم سنتے تھے، یہ تو اُسی شان کے لوگ نظر

آتے ہیں۔

3- ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مذکورہ بالا صفات کا ذکر تورات میں بھی ہے۔ تحریفوں کے باوجود تورات، باب استثناء 123 - 1 تا 3 میں یہ الفاظ موجود ہیں :

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکار ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت اُن کے لئے تھی وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اُس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں تیری بات مانیں گے"۔

یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ فتح مکہ کے وقت صحابہ کرامؓ کی تعداد دس ہزار تھی، جو فاران سے طلوع ہونے والے اُس نورانی پیکر کے ساتھ شہر خلیل میں داخل ہوئے تھے۔ اُس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی کے لفظ سے اشداء علی الکفار کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا کے لفظ سے رحماء بینھم کا مضمون سمجھا جاتا ہے۔ عبارت کے آخری الفاظ اللہ کے ساتھ خصوصی تعلق کو ظاہر کر رہے ہیں۔

مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ سے مراد یہ ہے کہ انجیل میں صحابہ کرامؓ کی مثال کھیتی سے دی گئی ہے۔ انجیل متی باب 13 آیت 31 میں یہ الفاظ موجود ہیں :

"اُس نے ایک اور تمثیل اُن کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اُس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا، وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں"۔

ایک مشہور واقعہ اس حقیقت کی تائید کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی بڑی صراحت سے کیا گیا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں جب مسلمان

افواج بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھیں تو یہ محاصرہ بہت طول پکڑ گیا۔ بیت المقدس میں محصور عیسائی مذہبی رہنماؤں نے کہا کہ ایک درویش بادشاہ کی علامات ہماری کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں جس کے ہاتھوں یہ شہر فتح ہوگا۔ علامات جب بیان کی گئیں تو اُن کا کامل مصداق تھے حضرت عمرؓ تھے۔ اسی لئے جب حضرت عمرؓ بیت المقدس تشریف لائے تو وہاں کے لوگوں نے آپؓ کو دیکھتے ہی شہر کے دروازے کھول دیئے اور کہا کہ یہی وہ شخص ہے جس کی علامات ہماری کتابوں میں درج ہیں۔

بلاشبہ صحابہ کرامؓ کے لئے انتہائی مناسب مثال اُس کھیتی کی سی ہے جو ابتداء میں انتہائی نازک اور کمزور تھی لیکن رفتہ رفتہ مضبوط ہوکر اپنے زور پر پوری قوت سے کھڑی ہوگئی۔ اس کھیتی کو لگانے والے باغبان ہیں محمد رسول اللہ ﷺ جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے اس کھیتی کی آبیاری کی ہے اور جن کی تمنا ہے :

پھلا پھولا رہے یارب، چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

نبی اکرم ﷺ کا قلبِ مبارک اس لہلہاتی کھیتی کو دیکھ کر باغ باغ ہو رہا ہے۔ دوسری طرف وہ کفار و منافقین ہیں جن کو صحابہ کرامؓ سے شدید بغض وعداوت ہے۔ وہ صحابہؓ کی کامیابیوں پر اپنے دل میں جلن اور گھٹن محسوس کر رہے ہیں۔ آیت کے آخری حصہ میں اللہ نے وعدہ فرمایا کہ دنیا میں تو فتح و کامرانی صحابہ کرامؓ کے قدم چوم ہی رہی ہے، آخرت کے اعتبار سے بھی وہ کامیاب و کامران ہیں کہ وہاں ان صاحبِ ایمان اور نیکوکار لوگوں کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم کی خوشخبریاں ہیں۔

درسِ نہم: فتحِ مکہ

جزیرہ نمائے عرب میں غلبۂ دینِ حق کی تکمیل

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

☆ تمہیدی نکات:

۱- منتخب نصاب کے حصّہ پنجم کا درسِ نہم ''فتحِ مکہ'' کے پس منظر اور حالات کے بیان پر مشتمل ہے۔

۲ - سورۂ جمعہ کی دوسری اور تیسری آیات کے حوالے سے یہ بات ہمارے سامنے آچکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثتیں دو تھیں۔ آپ ﷺ کی بعثتِ خاص تھی اہلِ عرب کی طرف جنہیں "امیین" کہا گیا اور آپ ﷺ کی بعثتِ عام تھی غیر عرب اقوام اور پھر بعد میں قیامت تک آنے والی پوری نوعِ انسانی کی طرف جنہیں "آخرین" کا نام دیا گیا۔ اہلِ عرب میں آپ ﷺ نے بذاتِ خود دعوت وتحریک کا کام کیا اور غلبہ دین کے مشن کی تکمیل کی جس کا نتیجہ فتحِ مکہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ آپ ﷺ نے آخرین کے لئے بھی اس مشن کا آغاز فرمایا جس کی تفصیل ان شاء اللہ ہم آئندہ درس میں سمجھیں گے۔

۳ - مسلمانوں کو فتحِ مکہ کی کامیابی رمضان سن ۸ ہجری میں حاصل ہوئی۔ فتحِ مکہ بلاشبہ ایک بہت عظیم واقعہ تھا لیکن قرآنِ حکیم میں اس کا صراحت کے ساتھ کہیں بھی تذکرہ موجود نہیں۔ اس کے برعکس قرآنِ حکیم میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا گیا اور سورۂ فتح میں اس کا بڑے اہتمام کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ گویا ظاہری اعتبار سے واقعات کی قدر وقیمت اور ہے اور معنوی اعتبار سے اور۔ قرآنِ حکیم ہمیں بار بار یہ تعلیم دیتا ہے کہ اشیاء اور واقعات کے ظاہر کی اہمیت اپنی جگہ لیکن اصل نگاہ حقیقت کی طرف ہونی چاہیے۔

۴ - قرآنِ حکیم میں فتحِ مکہ کا ذکر تو نہیں البتہ اس سے قبل کے کچھ حالات سورۂ توبہ میں بیان ہوئے ہیں۔ سورۂ توبہ میں کل 16 رکوع ہیں۔ پہلے پانچ رکوعوں کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ خصوصی سے ہے یعنی جزیرہ نمائے عرب کے اندر اندر اللہ کے دین کے غلبہ کے آخری مراحل اور اس کے ضمن میں جو بھی مباحث تھے وہ پہلے پانچ رکوعوں میں آگئے ہیں۔ بقیہ گیارہ رکوعوں کا تعلق آپ ﷺ کی بعثتِ عمومی سے ہے جس کی تفصیل آئندہ درس میں آئے گی۔

پہلے پانچ رکوعوں میں سے پہلا، چوتھا اور پانچواں رکوع سن ۹ ہجری میں حج کے موقع پر نازل ہوئے۔ ان رکوعوں میں مشرکینِ عرب کے سامنے اعلان کر دیا گیا کہ تم پر ہمارے نبی ﷺ اتمامِ حجت کر چکے۔ اب تمہیں ایک خاص مدت تک مہلت دی جاتی ہے۔ اس دوران ایمان لے آؤ یا اسلامی حکومت کی حدود سے باہر نکل جاؤ ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ ان رکوعوں میں اہلِ کتاب کو بھی بتا دیا گیا کہ اگر تم ایمان نہیں لاتے تو تمہیں اسلامی حکومت کی عملداری میں جزیہ دے کر اور چھوٹے بن کر رہنا پڑے گا۔ دوسرا اور تیسرا رکوع فتحِ مکہ سے قبل نازل ہوئے جن میں مکہ پر حملہ کے حوالے سے لوگوں کے طرزِ عمل پر تبصرہ ہے۔ اس درس میں ان شاء اللہ ہم ان دو رکوعوں کی روشنی میں فتحِ مکہ سے قبل کے حالات کو سمجھیں گے۔

مکہ کی طرف اقدام کا پس منظر

صلح حدیبیہ میں یہ طے ہوا تھا کہ ہر قبیلہ کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو مسلمانوں کا حلیف بن جائے یا قریش کا حلیف بن جائے۔ جو قبیلہ جس فریق کا حلیف ہوگا، اُسی کا ایک جزو سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسے کسی قبیلے پر زیادتی ہوئی تو خود اُس فریق پر زیادتی متصور ہوگی۔ بنو خزاعہ کا ایک قبیلہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا جبکہ ایک اور قبیلے بنو بکر نے قریش کے حلیف کی حیثیت اختیار کر لی۔ ان دو قبیلوں کے درمیان بڑی پرانی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ شعبان سن ۸ ہجری میں بنو بکر نے صلح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے اس حملہ میں بنو بکر کی بھرپور مدد کی۔ بنو خزاعہ کے لوگ صلح کی وجہ سے بے فکر تھے اور اُنہیں ایسے حملہ کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس اچانک حملہ کی وجہ سے بنو خزاعہ کا شدید نقصان ہوا۔ اُن کا ایک وفد فریاد کرتا ہوا مدینہ جا پہنچا۔ قریش نے بنو خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی مدد کر کے گویا صلح کو توڑ دیا تھا۔ اُنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اُنہوں نے صلح کی تجدید کے لئے ابو سفیان کو مدینہ بھیجا۔

ابو سفیان نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلی کوشش یہ کی کہ کوئی سفارشی تلاش کیا جائے جو محمد ﷺ

کو صلح کی تجدید پر آمادہ کر سکے۔ اس مقصد کے لئے ابو سفیان اپنی بیٹی اور نبی اکرم ﷺ کی زوجہ ام المومنین حضرت امّ حبیبہؓ کے پاس پہنچے۔ اُنھوں نے وہاں رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو حضرت امّ حبیبہؓ نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ بیٹی یہ بستر میرے لائق نہ تھا یا میں اس بستر کے لائق نہ تھا؟ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے فرمایا آپ اس بستر کے لائق نہیں ہیں۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔ یہ جواب سن کر ابوسفیان باہر چلے آئے۔

ابوسفیان اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح کی تجدید کی درخواست کی لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ملے لیکن سب نے سفارش کرنے سے معذرت کی۔ حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ کہ آپ یک طرفہ طور پر امان کا اعلان کر کے چلے جائیں۔ ابوسفیان نے پوچھا کیا اس سے کچھ بات بن جائے گی؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نہیں، مجھے اُمید نہیں کہ بات بنے لیکن بہر حال اس کے سوا تمہارے پاس کوئی اور چارۂ کار نہیں۔ ابوسفیان نے مسجد نبوی ﷺ میں امان کا اعلان کیا اور وہاں سے واپس مکہ کی راہ لی۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے قریش کے خلاف اقدام کے لئے مکہ کی طرف روانگی کی تیاری شروع کردی۔ البتہ آپ ﷺ نے اس تیاری کو خفیہ رکھنے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ قریش کو اگر مسلمانوں کے حملہ کا علم ہوگیا تو وہ بھی مقابلہ کی تیاری کریں گے اور اس طرح زیادہ خونریزی کا خدشہ ہوگا۔ اگر مسلمان اچانک مکہ پہنچ گئے تو قریش مقابلہ کی ہمت نہیں کریں گے اور خونریزی کا امکان کم ہوگا۔

جب نبی اکرم ﷺ نے مکہ کی طرف اقدام کے لئے روانگی کا فیصلہ فرمایا تو کچھ ساتھیوں نے مختلف اسباب کی بنیاد پر ہچکچاہٹ کا اظہار کیا۔ یہ اسباب حسب ذیل تھے:

i- جنگ کے مقابلہ میں صلح بہتر شے ہے اور ہمیں قریش سے صلح کی تجدید کر لینی چاہئے۔

ii- قریش بیت اللہ اور حجاج کی خدمت کرتے ہیں اور ہمیں اُن سے جنگ نہیں کرنی چاہیے۔
iii- مکہ میں ہمارے بہت سے رشتہ دار ہیں، اُن سے جنگ کرنا صلہ رحمی کے منافی ہے۔
iv- کچھ لوگ اب بھی قریش اور اُس کے حلیفوں کی قوت سے مرعوب تھے اور وہ مال و جان کی محبت کی وجہ سے جنگ سے جی چرا رہے تھے۔

سورہ توبہ کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف قتال کے حوالے سے ہچکچاہٹ کے مذکورہ بالا اسباب کے بارے میں بڑی اہم ہدایات دی ہیں۔ مذکورہ بالا اسباب کی اہمیت ابدی ہے۔انسانی نفسیات جو پہلے تھی وہ آج بھی ہے۔یہ کیفیات، سوچنے کے یہ انداز اور یہ مختلف احساسات ہر دور میں ہوں گے۔جب بھی کبھی دین کے لئے کوئی کام ہوگا، ظاہر بات ہے کہ انہی مراحل میں سے گزرنا ہوگا۔لہٰذا اقامتِ دین کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے لئے اِن آیات میں فکری اصلاح کے لئے اہم رہنمائی موجود ہے۔

☆ آیت : 7 :

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ -- کیسے ہوسکتا ہے مشرکین کا کوئی عہد اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ -- اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ -- سوائے اُن کے کہ جن سے اے مسلمانو تم نے صلح کی تھی مسجد حرام کے پاس -- فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ -- تو جب تک وہ سیدھے قائم رہیں تمہارے لئے تم بھی سیدھے قائم رہو اُن کے لئے -- اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔

- اِس آیت میں اُن لوگوں کی اصلاح کی گئی جو صلح کو زیادہ ہی اہمیت دے رہے تھے۔ فرمایا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا مشرکین سے صلح کا معاہدہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اُصولی بات تو یہ ہے کہ حق و باطل کے مابین صلح ہو ہی نہیں سکتی۔اگر حق باطل کو مستقلاً

تسلیم کر کے اُس کے ساتھ سمجھوتہ کر لے تو ایسا حق دراصل حق ہے ہی نہیں۔ البتہ یہ تو اہلِ حق کی مجبوری ہو سکتی ہے اور حالات کا جبر ہو سکتا ہے کہ اہلِ حق باطل کے خلاف کوئی اقدام کرنے کے قابل نہ ہوں تو کوئی وقتی مصالحت کر لی جائے۔

- اس آیت میں بیان کی گئی حقیقت کی علامہ اقبال نے کیا خوب ترجمانی کی ہے کہ:

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ ٔ حق و باطل نہ کر قبول

''باطل دوئی پسند ہے'' کا مفہوم یہ ہے کہ باطل کو اپنے وجود کے لئے حق کے کسی جز و کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنے بل پر قائم نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا باطل کو حق سے سمجھوتہ کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ حق کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ خالص ہوتا ہے اور کسی قسم کی آمیزش قبول نہیں کرتا۔ قرآنِ حکیم میں باطل کو کئی مقامات پر ''ظلمات'' یعنی کئی اندھیروں سے تشبیہ دی گئی ہے جبکہ حق کو تشبیہ دی گئی ''نور'' یعنی ایک روشنی سے۔ مختلف تناسب میں حق کی آمیزش کے ساتھ باطل کے کئی شیڈز ہو سکتے ہیں اس لئے اسے اندھیروں سے تشبیہ دی گئی جبکہ حق بالکل خالص ہوتا ہے لہٰذا اسے صرف روشنی سے تشبیہ دی گئی۔

- اس آیت میں اُصولی بات تو یہ بیان ہوئی کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ شرک کو قبول نہیں کر سکتے لہٰذا مشرکین کا کوئی عہد اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر مسلمانوں نے وقتی مجبوری کی وجہ سے مشرکین کے ساتھ مسجد حرام کے قریب حدیبیہ کے مقام پر عہدِ صلح کیا تھا تو اب اُنہیں اس کا احترام اُس وقت تک کرنا چاہیئے جب تک مشرکین اپنے عہد پر قائم رہیں۔ عہد کو نبھانا تقویٰ کا تقاضا ہے اور اللہ متقیوں سے محبت فرماتا ہے۔

- اس آیت میں ایک گمراہی کی نفی ہے۔ کچھ دانشور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے

حوالے سے میثاقِ مدینہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک میثاقِ مدینہ ایک مستقل اُصول ہے جس کے تحت کفر اور اسلام مل کر ایک وحدت بن سکتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ تو درحقیقت اسلام کی حقانیت کی نفی ہے۔ مسلمانوں نے یہودی قبائل سے میثاقِ مدینہ اُس وقت کیا تھا جب کہ ابھی دین غالب نہیں ہوا تھا۔ یہ میثاق ایک وقتی مصلحت کے تحت عارضی اقدام تھا۔ غلبۂ دین کی جدوجہد کے دوران اب بھی ایسا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اِسے اِسلام کا مستقل اصول قرار دے دینا اِس دور کی بہت بڑی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی ہے۔ غیر مسلموں کے معاملہ میں اِسلام کا دائمی اصول سورۂ توبہ آیت **29** میں بیان ہوا ہے :

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿﴾

''لڑو اہلِ کتاب میں سے اُن لوگوں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ حرام مانتے ہیں اُس کو جسے حرام کیا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے اور نہ قبول کرتے ہیں دینِ حق کو یہاں تک وہ جزیہ دیں اور چھوٹے ہوکر رہیں۔''

- بعض دانشوروں نے ایک مستقل فلسفہ بنالیا ہے کہ اصل میں جنگ تو صرف مجبوری کی صورت میں جائز ہے ورنہ اصل کام ہے دعوت و تبلیغ اور صلح کے ساتھ رہنا۔ ایسے دانشوروں سے اگر پوچھا جائے کہ صلح اتنی ہی اچھی چیز ہے اور جنگ اتنی ہی بری شے، تو بتایئے کہ جب قریش نے صلح حدیبیہ توڑ دی اور پھر اُن کے سردار ابو سفیان صلح کی تجدید کے لئے مدینہ آ کر خوشامدیں کرر ہے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے صلح کی تجدید کیوں نہیں کی؟ یہ دانشور اِس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔ بات یہ ہے کہ اصل مقصود نہ صلح ہے نہ جنگ ہے۔ اصل مقصود ہے غلبۂ دین کے اُس مشن کی تکمیل ہے

جس کے لئے نبی اکرم ﷺ کو بھیجا گیا تھا۔ اب یہ حکمت اور معاملہ فہمی ہے کہ کس وقت اس مشن کے لئے صلح مفید ہے اور کب جنگ۔ سن ۶ ہجری میں ابھی مسلمانوں کے پاس بیت اللہ کو شرک کی گندگی سے پاک کرنے کے لئے قوت نہ تھی لہٰذا مشرکین سے صلح کرلی گئی۔ سن ۸ ہجری میں مطلوبہ قوت حاصل ہوگئی تو اب صلح کی تجدید نہیں کی گئی اور ''دنیا کے بتکدوں میں خدا کے پہلے گھر'' کو بتوں کی گندگی سے پاک کردیا گیا اور جزیرہ نمائے عرب کی حد تک غلبۂ دین کے مشن کی تکمیل ہوگئی۔

☆ آیت : 8 :

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً -- کیسے رہے صلح (مشرکین سے) کہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو نہ لحاظ کریں تمہاری قرابت کا اور نہ کسی عہد کا -- يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ -- وہ تمہیں راضی کرتے ہیں اپنے مونہوں (کی باتوں) سے اور نہیں مانتے اُن کے دل -- وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸﴾ اور اُن میں سے اکثر فاسق ہیں۔

- اس آیت میں مشرکین کے ساتھ صلح کی تجدید نہ کرنے کی وجہ بتائی جارہی ہے۔ بڑے زوردار انداز میں فرمایا ''کیف'' یعنی کیسے؟ آخر سوچو تو سہی۔ مشرکین کے ساتھ صلح ہو تو کیسے؟ اُن کے ساتھ صلح ہو تو کس بنیاد پر؟ مصالحت جاری رکھی جائے تو کیوں؟ اُن کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو نہ کسی قرابت کا خیال رکھیں گے اور نہ کسی عہد کا پاس کریں گے۔
- يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ میں اشارہ ہے ابوسفیان کی اُن خوشامدوں کی طرف جو اُنہوں نے صلح کی تجدید کے لئے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے سامنے کی تھیں۔ اللہ نے آگاہ فرمادیا کہ یہ سب اُن کے منہ کی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے دل انکاری ہیں۔ اُن کے دلوں میں تمہارے خلاف غیظ و غضب ہے

اور انتقام کی آگ جل رہی ہے۔ اُن کی اکثریت سرکشوں اور اللہ تعالیٰ کے باغیوں پر مشتمل ہے۔

☆ آیات : 9 - 10 :

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا -- سودا کیا اُنہوں نے اللہ کی آیات کا حقیر قیمت کے عوض -- فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ -- پھر روکا اُس کی راہ سے -- اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿﴾ بلاشبہ بُرے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً -- نہیں لحاظ کرتے کسی مومن کے حق میں قرابت کا اور نہ کسی عہد کا --

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿﴾ اور وہی ہیں حد سے گزرنے والے۔

اِن آیات میں مشرکین کے جرائم یاد دلا کر مسلمانوں کو مشرکین کے خلاف اقدام کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی عارضی لذتوں، مفادات اور چودھراہٹ کے عوض اللہ کی آیات کا سودا کر لیا۔ دو تہائی قرآن مکہ میں نازل ہوا لیکن اُنہوں نے اِس کے بجائے خواہشاتِ نفس کی پیروی کو ترجیح دی۔ پھر نہ صرف یہ خود اللہ کے راستہ سے رکے بلکہ دھمکیوں، تشدد اور لالچ کے ذریعہ دوسروں کو بھی روکتے رہے۔ مسلمانوں کے حوالے سے اِن کی نفرت وعداوت کا یہ عالم ہے کہ اگر اُنہیں مسلمانوں کے خلاف کسی اقدام کا موقع مل جائے تو وہ نہ کسی رشتہ داری کو اہمیت دیں گے اور نہ ہی کسی معاہدے کا لحاظ کریں گے۔ یہ حد سے تجاوز کرنے والے مجرم ہیں۔ جن لوگوں کا طرزِ عمل اِس قدر گھٹیا ہے کیا اُن کے خلاف اقدام نہ کرنے کا کوئی جواز ہے؟

☆ آیت : 11 :

فَاِنْ تَابُوْا -- پھر اگر وہ توبہ کریں -- وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ -- اور قائم رکھیں نماز -- وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ -- اور دیتے رہیں زکوٰۃ -- فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ -- تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں -- وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿﴾ اور ہم کھول کھول کر

بیان کرتے ہیں آیات اُن لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں۔

- اس آیت میں اللہ کی طرف سے رحمت وشفقت کا اظہار ہے۔ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین اپنے کفر وشرک سے توبہ کرلیں، اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرلیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی بن جائیں گے۔ گویا اُن مسلمانوں کو جو مشرکین کے بارے میں نرم رویہ رکھتے تھے دعوتِ فکر دی جا رہی ہے کہ آخر کون سی چیز اُنہیں کفر کی طرف روک رہی ہے؟ حقیقت میں کوئی ایسی فصیل نہیں ہے جو مشرکین کے لئے نا قابلِ عبور ہو۔ وہ جب چاہیں ایمان لا کر بالکل برابری کی بنیاد پر مسلمانوں کے بھائی بن سکتے ہیں۔
- آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ ہم نے تمام حقائق وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے ہیں اُن کے لئے جو جاننا چاہیں۔ جن کے دلوں میں مشرکین کے خلاف اقدام کے حوالے سے شبہات ہیں، اگر وہ حقیقت جاننا چاہیں تو ہم نے حقیقت کھول کھول کے بیان کر دی ہے۔

☆ آیت : 12 :

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ -- اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں اپنے عہد کرنے کے بعد -- وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ -- اور اعتراض کریں تمہارے دین میں -- فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ -- تو لڑو کفر کے سرداروں سے -- اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿﴾ بلاشبہ وہ ایسے ہیں کہ اُن کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں (لڑو اُن سے) تاکہ وہ باز آجائیں۔

- اس آیت میں مشرکین پر فردِ جرم عائد کی جا رہی ہے۔ فرمایا اگر یہ مشرکین عہد کرنے کے بعد اُس کو توڑ دیں اور تمہارے دین کے بارے میں من گھڑت اعتراضات کرکے شکوک وشبہات پیدا کریں تو پھر ان کے خلاف اقدام کرو۔ چونکہ مشرکین

مذکورہ بالا دونوں جرائم کا ارتکاب کر چکے تھے لہٰذا یہ اُن پر فردِ جرم عائد ہوگئی اور اب مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ اُن کے خلاف جنگ کریں۔

- اس آیت میں مشرکینِ مکہ کو کفر کا امام کہا گیا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی۔ البتہ مشرکینِ مکہ کو خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے پورے جزیرہ نمائے عرب میں مذہبی حاکم ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔ پورے عرب قبائل کے بت خانہ کعبہ میں تھے اور مشرکینِ مکہ اُن کے متولی تھے۔ اس وجہ سے مشرکینِ مکہ کی ایک حیثیت تھی۔ وہ جب چاہتے تھے حرمت والے مہینے آگے پیچھے کر دیتے تھے اور تمام عرب قبائل اُن کے یہ فیصلے مانتے تھے۔ مشرکینِ مکہ ہی ہر سال حج کے انتظامات کرتے تھے لہٰذا اُنہیں پورے عرب میں ایک مذہبی سیادت حاصل تھی۔ اُن کے تجارتی قافلے پورے امن کے ساتھ شام اور یمن جاتے تھے اور ان تجارتی راستوں پر اُنہیں مکمل اختیار حاصل تھا۔ اس وجہ سے مشرکینِ مکہ کو کفر کے امام اور شہرِ مکہ کو پورے عرب کی مرکزی بستی یعنی ''ام القریٰ'' کا مقام حاصل تھا۔ مکہ پر دینِ اسلام کے غلبہ کے بغیر پورے عرب میں غلبۂ دین کا تصور بھی ناممکن تھا۔ اسی لئے مسلمانوں کو مشرکینِ مکہ کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا۔
- مغربی تصورات کے زیرِ اثر بعض دانشور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہجرت کے بعد مدینہ آتے ہی اسلامی ریاست قائم ہوگئی تھی اور اس کے لئے کوئی جنگ نہیں کرنی پڑی۔ بلاشبہ مدینہ آکر مسلمانوں کو ایک دارالامن اور ٹھکانہ تو حاصل ہوگیا تھا لیکن نہ دین غالب ہوا نہ مطلوبہ اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ مدینہ میں عدالتوں کے دو نظام قائم تھے۔ ایک نبی اکرم ﷺ کا اور دوسرا یہود کا۔ منافقین جو کلمہ گو مسلمان تھے من چاہے فیصلے کرانے کے لئے علمائے یہود کی عدالت میں جاتے تھے۔ سورۂ نساء میں جو مدنی دور کے وسط میں نازل ہوئی، اس روش کا بیان یوں ہوا :

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ

''کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب اے نبیؐ) آپؐ پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) آپؐ سے پہلے نازل ہوئیں اُن سب پر ایمان رکھتے ہیں لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لیجا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ اُس طاغوت کا انکار کر دیں۔'' (النساء: 60)

مدنی دور میں دو مرتبہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ مشرکین سے جنگ کرو جب تک دین غالب نہ ہو جائے۔ گویا ابھی دین غالب نہیں ہوا اور اس کے لئے جنگ ناگزیر ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرة: 193)

''اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور ہو جائے نظام اللہ کے لئے۔''

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال: 39)

''اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور ہو جائے نظام کل کا کل اللہ کے لئے۔''

درحقیقت غلبۂ دین کی منزل سر ہوئی اور اسلامی ریاست قائم ہوئی فتحِ مکہ کے بعد۔

- اِس کے بعد آیت زیرِ درس میں آگاہ کیا گیا کہ مشرکین کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر تم اُن کے خلاف اقدام میں ہچکچاہٹ کرو گے تو یہ کفر پر برقرار رہیں گے۔ اگر فیصلہ کن قدم اٹھاؤ گے تو پھر امکان ہے کہ اُن میں سے بہت سے لوگ ایمان لے آئیں گے۔ قرآن کی یہ پیشنگوئی سچ ثابت ہوئی اور فتحِ مکہ کے بعد مشرکین کی ایک بڑی اکثریت اسلام لے آئی۔

☆ آیت: 13 :

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ -- کیا تم نہیں لڑو گے اُس قوم سے جس نے توڑا اپنی قسموں کو -- وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ -- اور سازش کی رسول ﷺ کو (مکہ

سے) نکالنے کی -- وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ -- اور اُنہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے -- اَتَخْشَوْنَهُمْ -- کیا تم اُن سے ڈر رہے ہو؟ -- فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿﴾ سو اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

- اس آیت میں مسلمانوں کو مشرکینِ مکہ کے خلاف جنگ کے لئے للکارا جا رہا ہے۔ فرمایا اے مسلمانو! کیا تم اُس قوم سے جنگ نہیں کرو گے جس نے اپنی قسموں کو توڑا، رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا اور ہر قسم کی زیادتی میں پہل کی۔ اُنہوں نے مسلمانوں پر مکہ میں عرصۂ حیات تنگ کر دیا، اُن پر تشدد کے پہاڑ توڑے اور کئی مسلمانوں کو شہید کیا۔
- اس کے بعد مسلمانوں کی غیرت کو جھنجھوڑنے کے لئے پوچھا گیا کہ کیا تم مشرکینِ مکہ سے ڈر رہے ہو؟ کیا اُن کی طاقت اور دبدبے سے تم اتنے مرعوب اور خائف ہو کہ اُن کے خلاف جنگ سے پس و پیش کر رہے ہو؟ حالانکہ اگر تم مومن ہو تو اللہ کا زیادہ حق ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ لہٰذا اُس کے حکم کی خلاف ورزی مت کرو، اللہ کی مرضی کے خلاف اپنی رائے مت پیش کرو اور جنگ کرو اللہ کے دشمنوں سے۔

☆ آیات : 14 - 15 :

قَاتِلُوْهُمْ -- لڑو اُن سے -- يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ -- اللہ عذاب دے گا اُن کو تمہارے ہاتھوں -- وَيُخْزِهِمْ -- اور اُنہیں رسوا کرے گا -- وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ -- اور اُن کے خلاف تمہاری مدد کرے گا -- وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿﴾ اور ٹھنڈک پیدا کرے گا مسلمانوں کے سینوں میں۔ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ -- اور نکالے گا اُن کے دلوں کی جلن کو -- وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ -- اور وہ توبہ قبول کرے گا جس کی وہ چاہے گا -- وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿﴾

اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ۔

- اِن آیات میں مسلمانوں کو مشرکینِ مکہ کے خلاف جنگ کرنے کی صورت میں بشارتیں دی گئیں ۔فرمایا جب تم مشرکین کے خلاف جنگ کے لئے نکلو گے تو اللہ کے رسول ﷺ کی قیادت میں دس ہزار جانثاروں کا لشکر دیکھ کر مشرکین کے تکبر کا پندار ٹوٹ جائے گا اور اُنہیں شدید ذہنی اذیت ہوگی ۔ اُن میں مقابلہ کی ہمت ہی نہ ہوگی ۔ جو مقابلہ کرنا چاہیں گے وہ جہنم واصل ہوں گے ۔ باقی رسوا ہو کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رحم کے سوالی بن کر ندامت کے ساتھ کھڑے ہوں گے ۔ اِس سے اُن تمام مسلمانوں کے سینوں کو ٹھنڈک اور جذبات کو سکون حاصل ہوگا جن پر یہ مشرکینِ مکہ ظلم وستم کرتے رہے ہیں ۔
- اِس آیت میں مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔ بہت سے ہوں گے جو سابقہ جرائم پر نادم ہو کر توبہ کریں گے اور ایمان لا کر اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائیں گے ۔

☆ آیت : 16 :

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا -- کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے -- وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ -- اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو ظاہر کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا --وَلَمۡ یَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَلِیۡجَةً -- اور اللہ اور اُس کے رسول ؐ اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا -- وَاللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اور اللہ باخبر ہے اُس سے جو تم کر رہے ہو۔

- یہ مضمون منتخب نصاب کے دروس میں پہلے بھی آ چکا ہے کہ اللہ اِس دنیا میں بندوں کو آزمائشوں سے گزارتا ہے اور دین پر ثابت قدم رہنے والے ہی جہنم سے نجات اور جنت میں جانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں :

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿﴾

''کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے محض اِس لئے کہ اُنہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اور اُنہیں آزمایا نہ جائے گا۔ اور ہم اِن سے پہلے لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں پھر اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچوں کو اور وہ ظاہر کر کے رہے گا جھوٹوں کو۔'' (العنکبوت : 2 - 3)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿﴾

''اے مسلمانو! کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ اُن پر سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ پکار اٹھے رسولؐ اور اُن کے ساتھی اہلِ ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اُس وقت اُنہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو، اللہ کی مدد قریب ہے۔'' (البقرۃ : 214)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿﴾

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں۔'' (آلِ عمران : 142)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿﴾

''اور ہم تمہیں آزما کر رہیں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں گے تم میں سے جہاد اور صبر کرنے

(ڈٹ جانے) والوں کو اور ہم جانچیں گے تمہارے حالات۔" (محمدؐ: 31)

- اس آیت میں فرمایا "کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون لوگ ہیں جہاد کرنے والے۔" اگرچہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو جہاد کے بہت سے مراحل گزر چکے تھے لیکن اب بھی اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے تھے اور ابھی اُن کے سامنے ایسا امتحانی مرحلہ نہیں آیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی لیکن دو برس بعد فتح مکہ کے موقع پر یہ تعداد دس ہزار تھی۔ گویا اس آیت میں اگرچہ الفاظ عام ہیں لیکن روئے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے کہ جن کو ابھی جہاد میں شرکت کے حوالے سے کسی آزمائش سے سابقہ پیش نہیں آیا۔
- وَلِیْــجَۃً کہتے ہیں کسی انسان کے ایسے دلی دوست کو جو اُس کا ہمراز یعنی اُس کے بعض ذاتی معاملات سے بھی آگاہ ہو۔ روزِ قیامت نجات کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے ایمان کی حقانیت کا ثبوت دے اور اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور اہلِ ایمان کے سوا کسی کو اپنا دلی دوست نہ بنائے۔ اب اگر کسی کے دل میں مشرکینِ مکہ کے لئے کوئی نرم گوشہ ہے تو یہ ایمان کے منافی ہے اور اگر اس کیفیت کی اصلاح نہ کی گئی تو انسان روزِ قیامت جہنم سے نجات نہ پا سکے گا۔
- ایمان کا تقاضا ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کو دلی دوست یا ہمراز نہ بنایا جائے جو غیر مسلم یا دین کا دشمن ہو۔ البتہ ایسے غیر مسلموں سے حسنِ سلوک کیا جا سکتا ہے جو اسلام یا مسلمانوں کے خلاف کسی اقدام میں شریک نہ ہوں۔ سورہ ممتحنہ آیات 8 - 9 میں اس کی وضاحت بیان ہوئی ہے:

لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۞ اِنَّمَا

يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿﴾

''اللہ منع نہیں فرماتا تمہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے دین کے حوالے سے تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم اُن کے ساتھ بھلائی اور عدل کا سلوک کرو۔ بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اللہ تمہیں منع فرماتا ہے اُن لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے جنہوں نے تم سے دین کے حوالے سے جنگ کی اور تمہیں نکالا تمہارے گھروں سے اور تمہیں نکالنے میں اوروں کی مدد کی اور جو کوئی اُن سے دوستی کرے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔''

☆ آیت : 17 :

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ -- مشرکین اس لائق نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مساجد کو -- شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ -- گواہی دینے والے ہیں اپنے اوپر کفر کی -- اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ -- یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے -- وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿﴾ اور آگ میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

- اس آیت میں مشرکینِ مکہ کے خلاف اقدام کی مخالفت میں دی جانے والی اس دلیل کا رد کیا جا رہا ہے کہ قریش بیت اللہ اور حجاج کی خدمت کرتے ہیں اور ہمیں اُن سے جنگ نہیں کرنی چاہیے۔ فرمایا مشرکوں کو تو اس کا حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے انتظام و انصرام میں شرکت کریں یا اُنہیں آباد کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کھلم کھلا اپنے کفر کا نہ صرف اعتراف بلکہ اعلان کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اس قابل نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے متولی بن بیٹھیں۔

- اِس آیت میں مزید فرمایا کہ کفر وشرک کی وجہ سے اِن کی ساری نیکیاں برباد ہو گئیں ۔سورہ بقرہ آیت 177 میں ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ نیکی کی روح ایمان ہے ۔اللہ کے نزدیک ایمان کے بغیر نیک کاموں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ۔مشرکین مکہ نے بیت اللہ کی صفائی ستھرائی ،دیگر امور کے لئے انتظامات اور حاجیوں کی خدمت کے حوالے سے جو نیک کام کیے ہیں، وہ سب کے سب ایمان سے محرومی کی وجہ سے اکارت چلے گئے ۔نیکی کا ایک روایتی تصور ہے جو ہر دور میں موجود رہا ہے کہ بڑے بڑے گناہ کرتے رہو لیکن ضمیر کی آواز کو دبانے کے لئے کچھ نیکیاں کر کے جھوٹا اطمینان حاصل کر لو۔نیکی کے اِس روایتی تصور کی اللہ نے یہاں نفی فرما دی۔

☆ آیت : 18 :

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ -- بے شک اللہ کی مسجدیں آباد کرتا ہے -- مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ -- جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور آخرت کے دن پر -- وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ -- اور اُس نے قائم کی نماز اور دی زکوۃ -- وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ -- اور وہ نہیں ڈرتا کسی سے سوائے اللہ کے -- فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ سو امید ہے کہ وہ لوگ ہوں گے ہدایت پانے والوں میں سے۔

- اِس آیت میں مثبت انداز میں فرمایا کہ اللہ کی مسجدوں کا انتظام و انصرام اور انہیں آباد کرنا ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ یہ سعادت اُن لوگوں کو ملتی ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اُن کی نیکیاں اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر کے لئے ہوتی ہیں، وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ۔ایسے خوش نصیبوں کے بارے میں توقع ہے کہ وہ راہ یاب ہوں گے اور اپنی اصل منزلِ مقصود کو پا لیں گے۔
- اِس آیت کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِیْمَانِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :
اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (ترمذی)
''جب تم ایک شخص میں مسجد کے حوالے سے ذوق وشوق دیکھو تو اُس کے ایمان کی گواہی دو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔''

☆ آیت : 19 :

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ -- کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو بسانا -- كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ -- برابر کر دیا اُس کے جو ایمان لایا اللہ اور یوم آخرت پر -- وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ -- اور اُس نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں -- لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ -- وہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک -- وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿﴾ اور اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔

اِس آیت میں زوردار انداز سے نیکی کے روایتی تصور کی نفی کی گئی ہے۔ فرمایا تمہاری یہ اقدار (values) کیا ہیں؟ تم نے کس چیز کو کس چیز کے برابر قرار دے دیا ہے؟ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام میں مختلف امور کا انتظام کرنا اور اِسے آباد رکھنا برابر ٹھہرا دیا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے؟ اللہ کے نزدیک یہ دونوں طرح کے اعمال برابر نہیں ہیں۔ کسی عمل یا شے کو اُس کے اصل مقام سے ہٹا دینا ظلم ہے یعنی اَلظُّلْمُ وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّهٖ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

☆ آیات : 20 - 22 :

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا -- وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی -- وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ -- اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنی

جانوں اور مال کے ساتھ -- اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ -- درجہ کے اعتبار سے کہیں عظیم ہیں اللہ کے نزدیک -- وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿﴾ اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ -- خوشخبری دیتا ہے اُن کو اُن کا رب اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی کی -- وَجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿﴾ اور اُن باغات کی جن میں اُن کے لئے دائمی نعمتیں ہیں۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا -- اُن میں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش -- اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿﴾ بے شک اللہ کے پاس ہے شاندار بدلہ۔

- آیت **20** میں اُن اعمال کا بیان ہے جن کا تعلق نیکی کے وسیع تصور سے ہے۔ سب سے پہلے ایمان کا ذکر ہے جو تمام اعمالِ صالحہ کی روح ہے۔ اُس کے بعد ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا بیان ہے۔ ہجرت اور جہاد دونوں کے درجات ہیں۔ ایک حدیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اَفضل ہجرت ہر اُس کام کو ترک کر دینا ہے جو اللہ کو ناپسند ہو (نسائی)۔ اعلیٰ ہجرت یہ ہے کہ جب کسی معاشرے میں بُرائی کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کی قوت اتنی بڑھ جائے کہ ظالمانہ نظام کے محافظ اُن کی جانوں کے دشمن ہو جائیں اور پھر اُنہیں اپنی اِس سرزمین سے ہی ہجرت کرنی پڑ جائے۔ اِسی طرح اَفضل جہاد ہے نفس کے خلاف کوشش تا کہ اُسے شریعت پر عمل کا پابند کیا جا سکے۔ اعلیٰ جہاد اُس وقت ہوتا ہے جب اتنی قوت فراہم کر دی جائے کہ دشمن جہاد کرنے والوں کو کچلنے کے لئے میدان میں آ جائے اور جہاد قتال میں بدل جائے۔ ظلم اور منکرات کے خلاف منظم اجتماعی جدوجہد کے بغیر اعلیٰ ہجرت اور اعلیٰ جہاد کے مراحل آ ہی نہیں سکتے۔
- اللہ کو نیکی کا روایتی تصور قبول نہیں کہ بڑے بڑے جرائم کے ساتھ کچھ اچھے کام بھی کر لئے جائیں۔ اُس کے نزدیک وہ لوگ درجات کے اعتبار سے عظمتوں کے حامل ہیں

جو ایمان لائے، پھر اُنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کیا۔ کامیابی کی اعلیٰ منازل اِن ہی کو حاصل ہوں گی۔ اِن کے لئے بشارتیں ہیں اللہ کی رحمت اور رضا کی اور اُن باغات کی جن کی نعمتیں دائمی ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے محنتوں کا شاندار بدلہ۔

☆ آیت : 23 :

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا -- اے ایمان والو! -- لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ -- نہ بناؤ دوست اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو -- اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ -- اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان کے مقابلہ میں -- وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ اور جو تم میں سے اُن سے دوستی کریں گے، تو ایسے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔

- اِس آیت میں مشرکینِ مکہ کے خلاف اقدام کی مخالفت میں دی جانے والی اِس دلیل کا جواب دیا جارہا ہے کہ مکہ میں ہمارے بہت سے رشتہ دار ہیں، اُن سے جنگ کرنا صلہ رحمی کے منافی ہے۔ یہاں دوٹوک انداز میں فرمایا گیا کہ اب تمہارے نزدیک محبت اور دشمنی کا معیار صرف اور صرف ایمان اور دین کی خدمت کے لئے جدوجہد ہونی چاہیئے۔ جو شخص صدقِ دل سے ایمان لانے کے بعد دین کی سربلندی کے لئے ہجرت اور مال وجان سے جہاد کررہا ہے وہ تمہیں انتہائی محبوب ہو خواہ اُس کا تعلق کسی رنگ، نسل یا علاقے سے ہو۔ جو دین کا دشمن ہے اُس سے تمہیں شدید نفرت ہونی چاہیئے خواہ وہ تمہارا اخونی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ جو لوگ دوستی اور دشمنی کا یہ معیار نہیں رکھیں گے وہی اللہ کے نزدیک ظالم ہیں۔ ایسے لوگ باطل کے خلاف بھرپور اور فیصلہ کن اقدام نہیں کرسکتے اور گویا باطل کی بقا کے ذمہ دار ہیں۔ بقول جگر مرادآبادی :

میں زخم بھی کھاتا جاتا ہوں قاتل سے بھی کہتا جاتا ہوں
توہین ہے دست و بازو کی وہ وار کہ جو بھرپور نہیں

- مشرکینِ مکہ کے خلاف اقدام دراصل مہاجرین کے لئے ایک بڑی آزمائش تھی۔ مکہ میں اُن کے کئی رشتہ دار موجود تھے۔ ایک صاحبِ مروّت اور شریف انسان میں رشتہ داری کے حوالے سے کچھ احساسات ہوتے ہیں جو اُس وقت مکہ کی طرف اقدام کے حوالے سے رکاوٹ بن رہے تھے۔ پھر مکہ میں ایسے افراد بھی تھے جو ایمان لے آئے تھے لیکن کچھ مجبوریوں کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے۔ جنگ کی صورت میں اندیشہ تھا کہ وہ بھی کفار کے ساتھ مارے جاتے۔

اِس حوالے سے معاملہ ہوا ایک بدری صحابی حضرت حاطب ؓ ابن ابی بلتعہ کا۔ اُن کے اہل وعیال مکہ میں تھے۔ وہ قریشی نہیں تھے لہٰذا اُنہیں خطرہ تھا کہ جنگ کی صورت میں کوئی اُن کے اہل وعیال کی حفاظت نہ کرے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ تو جنگی تیاریوں کو خفیہ رکھنا چاہتے تھے لیکن اُنہوں نے قریش کے سرداروں کے نام ایک خط لکھا :

حاطب ؓ بن ابی بلتعہ کی طرف سے قریش کی جانب !

''اے جماعتِ قریش! اللہ کے رسول ﷺ تمہارے پاس رات جیسا، سیلِ رواں کی طرح بڑھتا ہوا لشکر لے کر آرہے ہیں اور بخدا اگر وہ تنہا بھی تمہارے پاس آجائیں تو اللہ اُن کی مدد کرے گا اور اُن سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ لہٰذا تم لوگ اپنے متعلق سوچ لو'' والسلام۔

(الرحیق المختوم صفحہ : 542)

حضرت حاطب ؓ بن ابی بلتعہ نے یہ خط ایک عورت کو دیا تھا تا کہ وہ اُسے قریش کے سرداروں تک پہنچا دے۔ عورت سر کی چوٹی میں خط چھپا کر روانہ ہوئی۔ اللہ کے رسول ﷺ کو وحی کے ذریعہ اِس کی خبر ہوگئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کی

قیادت میں چند صحابہؓ کو اُس عورت کے تعاقب کے لئے بھیجا۔ ان حضرات نے عورت سے وہ خط حاصل کیا اور اُسے گرفتار کرکے نبی اکرم ﷺ کے پاس لے آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کو بلا کر باز پرس کی۔ اُنہوں نے عرض کی "اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے خلاف جلدی نہ فرمائیں۔ خدا کی قسم! اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر میرا ایمان ہے۔ میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں تبدیلی آئی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں خود قریش کا آدمی نہیں، البتہ اُن میں رہتا تھا اور میرے اہل وعیال وہیں ہیں۔ قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں۔ آپ ﷺ کے دیگر ساتھیوں کے قرابت دار ہیں جو اُن کی حفاظت کریں گے۔ مجھے یہ چیز حاصل نہ تھی لہٰذا میں نے چاہا کہ قریش پر ایک احسان کر دوں جس کے عوض وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں۔"

قرآنِ حکیم میں اللہ نے اس معاملہ پر سخت گرفت فرمائی:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا۟ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ ۙ يُخْرِجُونَ ٱلرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَن تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَـٰدًا فِى سَبِيلِى وَٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِى ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَأَنَا۠ أَعْلَمُ بِمَآ أَخْفَيْتُمْ وَمَآ أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ ٱلسَّبِيلِ ﴿﴾ إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا۟ لَكُمْ أَعْدَآءً وَيَبْسُطُوٓا۟ إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِٱلسُّوٓءِ وَوَدُّوا۟ لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿﴾ لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَآ أَوْلَـٰدُكُمْ ۚ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿﴾

"اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست، تم اُن کو پیغام بھیجتے ہو دوستی کے جبکہ وہ انکار کر چکے اُس حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔ اُنہوں نے جلاوطن

کیا رسول ﷺ کو اور تمہیں محض اس لئے کہ تم ایمان لائے اپنے رب اللہ پر، اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لئے نکلتے ہو تو تم انہیں دوستی کے خفیہ پیغام بھیجتے ہو جبکہ میں جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جس نے ایسا کیا اُس نے کھو دیا سیدھا راستہ۔ اگر یہ کافر تم پر غالب آ جائیں تو ہو جائیں گے تمہارے دشمن اور چلائیں گے تمہارے خلاف اپنے ہاتھ اور زبانیں برائی کے ساتھ اور چاہیں گے کہ تم بھی کفر کر بیٹھو۔ ہرگز کام نہ آئیں گے قیامت کے دن نہ تمہارے رشتہ دار اور نہ اولادیں۔ اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔'' (الممتحنہ : 1 - 3)

اس معاملہ کے بعد حضرت عمرؓ فاروق نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ حضرت حاطبؓ کو قتل کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بدری صحابی ہیں اور اللہ نے بدر والوں کی پچھلی اور اگلی تمام خطائیں معاف فرما دی ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اُنہوں نے کہا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔

☆ آیت : 24 :

قُلْ -- کہہ دیجئے (اے نبیؐ) -- اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ -- اگر تمہارے باپ دادا -- وَاَبْنَآؤُکُمْ اور تمہارے بیٹے -- وَاِخْوَانُکُمْ -- اور تمہارے بھائی -- وَ اَزْوَاجُکُمْ -- اور تمہاری بیویاں -- وَعَشِیْرَتُکُمْ -- اور تمہارے رشتہ دار -- وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْھَا -- اور وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں -- وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا -- اور وہ تجارت جس میں خسارے سے تم ڈرتے ہو -- وَ مَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ -- اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں -- اَحَبَّ اِلَیْکُمْ -- اگر تمہیں

زیادہ محبوب ہیں -- مِّنَ اللّٰهِ -- اللہ سے -- وَرَسُوْلِهٖ -- اور اُس کے رسولؐ سے -- وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ -- اور اُس کی راہ میں جہاد سے -- فَتَرَبَّصُوْا -- تو انتظار کرو -- حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ -- یہاں تک کہ لے آئے اللہ اپنا فیصلہ (یعنی تمہاری موت) -- وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿﴾ اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اِس آیت پر تفصیلی درس منتخب نصاب کے حصہ چہارم میں ہو چکا ہے۔ اِس آیت کے ذریعہ اللہ نے خود احتسابی (self assessment) کے لئے ہر مسلمان کے ہاتھ میں ایک ترازو تھمادی ہے۔ ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالی جائیں طبعی محبتیں اور دوسرے میں دینی محبتیں۔ طبعی محبتیں دو طرح کی ہیں۔ رشتہ داروں کی محبتیں اور مال واسباب کی محبتیں۔ رشتہ داروں میں والدین، اولاد، بیویاں اور بھائی ہیں۔ مال واسباب میں جمع کی ہوئی رقم ہے، سالہا سال کی محنت سے حاصل کردہ پیشہ ورانہ صلاحیت (profession) ہے، یا بڑی مشکل سے جمایا ہوا کاروبار اور کاروباری ساکھ ہے اور یا پھر جائیداد ہے، مکان ہے، حویلیاں ہیں، کوٹھیاں ہیں۔ دوسری طرف دینی محبتوں میں اللہ کی محبت، اللہ کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت ہے۔ اب جائزہ لینا چاہیئے کہ کون سا پلڑا بھاری ہے؟۔ اگر دینی محبتوں والا پلڑا بھاری ہے تو پھر مبارکباد ہے۔ ایسے لوگ ہی سچے مومن ہیں۔ اِس کے برعکس اگر طبعی محبتوں والا پلڑا بھاری ہے تو پھر ایسے لوگ فاسق ہیں۔ اللہ اُنہیں ہدایت سے محروم رکھے گا اور اُنہیں چاہیئے کہ انتظار کریں۔ اللہ جلد اِن کی موت کا فیصلہ لے آئے گا۔ اِس آیت میں اللہ نے ایسا دوٹوک اسلوب اختیار فرمایا کہ جس کی وجہ سے وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مکہ میں آباد اپنے رشتہ داروں کے لئے کوئی بھی نرم گوشہ تھا وہ ختم ہو گیا اور وہ مشرکینِ مکہ کے خلاف اقدام کے لئے تیار ہو گئے۔

مکہ کی طرف روانگی

مندرجہ بالا آیات نے اُن تمام اسباب کا ازالہ کر دیا جن کی وجہ سے مشرکینِ مکہ کے خلاف اقدام کے حوالے سے ہچکچاہٹ محسوس کی جارہی تھی۔ اب تمام مسلمان اس حوالے سے یکسو ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ نے مکہ کی طرف روانگی کا فیصلہ فرمایا۔ آپ ﷺ ۱۰ رمضان المبارک سن ۸ ہجری کو دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

مکہ والوں کے لئے امان

جب نبی اکرم ﷺ مکہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ! ابو سفیان کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا، ابو سفیان! تم پر افسوس! کیا اب بھی تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ ابو سفیان نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے بردبار اور کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا تو اب تک میرے کچھ کام آیا ہوتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ابو سفیان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اُنہوں نے قبول کر لی۔ آپ ﷺ نے ابو سفیانؓ کو یہ اعزاز دیا کہ اہلِ مکہ میں سے جو شخص ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اُسے امان ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اُسے امان ہے اور جو شخص مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے اُسے امان ہے۔

امان کے اس فیصلہ کے بعد ابو سفیانؓ تیزی سے مکہ پہنچے اور بلند آواز سے پکار کر قریش کو آگاہ کیا کہ محمد ﷺ اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ اُس کا مقابلہ ممکن نہیں۔ پھر اُنہوں نے امان کے فیصلہ کا اعلان کیا۔ یہ فیصلہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔

مکہ میں داخلہ

مکہ کے قریب پہنچ کر نبی اکرم ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ خالدؓ بن ولید کی کمان میں ایک لشکر کو روانہ کیا کہ وہ دائیں طرف سے مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں اور کوہِ صفا تک

پہنچ جائیں۔ حضرت زبیرؓ بن عوام کی قیادت میں دوسرے لشکر کو ہدایت دی کہ وہ بائیں جانب سے مکہ میں بالائی حصے سے داخل ہوں اور حجون تک پہنچ جائیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے زیر کمان لشکر کو حکم دیا کہ وہ مکہ کی وادی کے عین بطن سے داخل ہوں۔ آپ ﷺ اسی لشکر کے پیچھے پیچھے مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے اور اللہ نے آپ ﷺ کو ایک بہت بڑا اعزاز بخشا تھا لیکن آپ ﷺ کی عاجزی کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس قدر سر جھکا رکھا تھا کہ آپ ﷺ کا عمامہ اونٹنی کے کجاوے کو چھو رہا تھا۔

قریش کے کچھ اوباشوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کے زیر کمان لشکر سے مقابلہ کیا۔ اس مقابلہ میں دو صحابیؓ شہید ہوئے۔ مشرکین میں سے بارہ مارے گئے اور باقی فرار ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں

مکہ میں داخلہ کے بعد نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کے جلو میں مسجد حرام کے اندر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر حجر اسود کو بوسہ دیا اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر ایک کمان کے ساتھ بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر موجود بتوں کو توڑنا شروع کیا۔ اس دوران آپ ﷺ سورہ بنی اسرائیل کی آیت **81** تلاوت فرما رہے تھے :

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل ہے ہی مٹ جانے والا''۔

اس کے بعد آپ ﷺ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے۔ بیت اللہ میں مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی خود ساختہ تصویریں لگا رکھی تھیں۔ آپ ﷺ کے حکم سے ان تصویریں کو مٹا دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے بیت اللہ میں نوافل ادا کیے۔ جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو قریش جمع تھے اور اپنے بارے میں فیصلہ کے منتظر تھے۔ آپ ﷺ نے اُن کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں توحید باری تعالیٰ کا بیان، اللہ کے احسانات کا اعتراف اور مساوات انسانی کا درس تھا۔ پھر آپ ﷺ نے قریش سے دریافت فرمایا ''تمہارا کیا خیال

ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟" انہوں نے عرض کیا" آپ کریم بھائی ہیں اور ایک کریم بھائی کے بیٹے ہیں"۔آپ ﷺ نے فرمایا "تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

فتحِ مکہ نے مشرکین پر واضح کر دیا کہ اسلام ہی دینِ حق ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے حسنِ سلوک نے اُن کے دلوں کو اور نرم کر دیا اور اُن کی اکثریت اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ چنانچہ اگلے روز نبی اکرم ﷺ کوہِ صفا پر تشریف فرما ہوئے اور تمام نو مسلموں سے بیعت لی۔ پہلے مردوں نے عہد و پیمان کیا کہ جہاں تک ہو سکے گا ہم آپ ﷺ کی بات سنیں اور مانیں گے۔ اس کے بعد خواتین نے بیعت کی۔

فتحِ مکہ - ایک فیصلہ کن معرکہ

فتحِ مکہ درحقیقت وہ فتحِ اعظم ہے جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے دین کو، اپنے رسول ﷺ کو اور اپنے مومن بندوں کو عزت بخشی اور اپنے گھر کو شرک کی نجاست سے پاک کر دیا۔ اس فتح کی وجہ سے لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔ بلاشبہ یہ فتح، ایک فیصلہ کن معرکہ ثابت ہوئی۔ قبائلِ عرب منتظر تھے کہ مسلمانوں اور بُت پرستوں میں جو معرکہ آرائی چل رہی ہے دیکھیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اُن کو یقین تھا کہ حرم پر قابض وہی گروہ ہوگا جو حق پر ہے۔ وہ اصحابِ فیل کا حشر دیکھ چکے تھے جنہوں نے بیت اللہ پر حملے کا ناپاک ارادہ کیا تھا اور اللہ نے اُنہیں برباد کر دیا تھا۔ فتحِ مکہ نے بُت پرستی کی قوت مکمل طور پر توڑ کر رکھ دی اور اس کا کام اس طرح تمام کر دیا کہ جزیرہ نمائے عرب میں اس کے باقی رہنے کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی۔ اب لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان پر پڑا ہوا وہ آخری پردہ ہٹ گیا جو قبولِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ تھا۔ اس فتح کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کا بول بالا ہوگیا اور گویا غلبۂ دین کے نبوی مشن کی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک تکمیل ہوگئی۔

منتخب نصاب حصّہ پنجم

درسِ دہم : غزوۂ تبوک

دعوتِ اسلام کے بین الاقوامی دور کا آغاز

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

☆ تمہیدی نکات :

۱ - منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ دہم ''غزوۂ تبوک'' کے پس منظر اور حالات کے بیان پر مشتمل ہے۔

۲ - قرآنِ حکیم میں غزوۂ تبوک کے حالات بڑی تفصیل سے سورۂ توبہ میں بیان ہوئے ہیں۔ سورۂ توبہ میں کل 16 رکوع ہیں۔ پہلے پانچ رکوعوں کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ خصوصی سے ہے یعنی جزیرہ نمائے عرب کے اندر اندر اللہ کے دین کے غلبہ کے

آخری مراحل سے۔ بقیہ گیارہ رکوعوں کا تعلق آپ ﷺ کی بعثتِ عمومی سے ہے یعنی بیرونِ ملکِ عرب غلبۂ دین کی توسیع سے۔ اِن گیارہ رکوعوں میں غزوۂ تبوک کے حالات کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ اِن گیارہ رکوعوں میں سے چار رکوع یعنی چھٹا، ساتواں، آٹھواں اور نواں رکوع غزوۂ تبوک سے قبل اور روانگی کے دوران نازل ہوئے۔ بقیہ سات رکوع تبوک سے واپسی کے دوران اور پھر مدینہ واپس آنے کے بعد نازل ہوئے۔

۳- یہ بات اِس سے قبل بیان ہو چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ خاص اہلِ عرب خصوصاً مشرکینِ عرب کی جانب تھی اور بعثتِ عام، قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی طرف۔ آپ ﷺ نے اپنی بعثتِ خصوصی کے فرائض بذاتِ خود سرانجام دیئے۔ آپ ﷺ نے اپنے ذاتی کردار، دعوت وتبلیغ، اقامتِ دین کی کٹھن جد وجہد، دین کو بالفعل غالب کر کے اور ایک عادلانہ نظام کا عملی نمونہ قائم کر کے اہلِ عرب پر حجت پوری فرما دی۔ بعثتِ عمومی کے فرائض کی ادائیگی کے لئے آپ ﷺ نے ایک امت کو تیار کر دیا اور بقیہ نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت کی ذمہ داری اُس کے کاندھے پر ڈال دی۔ اِس ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے جد وجہد کا آغاز بھی آپ ﷺ نے خود کر دیا۔ بیرونِ ملکِ عرب کئی بادشاہوں کو دعوتی خطوط لکھے اور اِسی دعوتی مہم کے دوران ایسے حالات پیدا ہوئے جو غزوۂ تبوک کا سبب بن گئے۔

غزوۂ تبوک کا پس منظر

غزوۂ تبوک کا پس منظر سمجھنے کے لئے تبلیغِ اسلام کے ایک اہم نکتہ کا فہم ضروری ہے۔ اسلام دین ہے محض ایک مذہب نہیں ہے۔ دین کی تبلیغ کا انداز انقلابی ہوتا ہے۔ یہ ایک ہی جگہ اپنی تبلیغ کو مرتکز کرتا ہے اور وہاں اپنی بنیادیں مضبوط کرنے کے بعد پھیلتا ہے۔ اِس کی مثال ایک تن آور درخت کی سی ہوتی ہے جو پہلے ایک جگہ اپنی جڑوں کو جماتا ہے اور پھر ایک مضبوط تنے

پر کھڑا ہو کر اپنی شاخیں پھیلاتا ہے۔ اس کے برعکس مذہبی تبلیغ کی مثال بیل کی سی ہے جو فوراً پھیلنا شروع ہو جاتی ہے لیکن اس کی جڑ کہیں بھی مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی نہیں ہوتی۔ نبی اکرم ﷺ کی تبلیغی مساعی میں ہمیں یہی تدریج نظر آتی ہے اور ہمیں بھی اسلام کی تبلیغ کے حوالے سے تدریج کے اس پہلو کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

نبی اکرم ﷺ نے جس تدریج کے ساتھ دینِ اسلام کی تبلیغ کو آگے بڑھایا، اُس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے دس برس تک آپ ﷺ نے اپنی پوری دعوتی سرگرمیوں کو صرف شہرِ مکہ تک محدود رکھا۔ البتہ جو لوگ حج، کاروبار یا کسی میلہ میں شرکت کے لئے باہر سے آتے تھے، آپ ﷺ اُن کے سامنے بھی اسلام کی دعوت رکھتے تھے۔ سن ۱۰ نبوی ﷺ میں بنو ہاشم کے سردار ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور آپ ﷺ کا بدترین دشمن ابولہب بنو ہاشم کا سردار بن گیا۔ اب مکہ میں آپ ﷺ کو اپنے خاندان کی طرف سے تحفظ حاصل نہ رہا۔ ان مایوس کن حالات میں آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا۔ طائف سے واپسی کے بعد بھی آپ ﷺ مکہ ہی میں دعوت کا کام کرتے رہے۔ پھر اللہ کی طرف سے مدد آئی اور سن ۱۱ نبوی ﷺ میں مدینہ سے آنے والے چھ افراد ایمان لے آئے۔ اگلے سال اُن کی تعداد بارہ ہو گئی۔ اب اُنھوں نے نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں قرآن سکھانے کے لئے کوئی ساتھی فراہم کر دیجئے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ اعزاز حضرت مصعب ؓ بن عمیر کو مرحمت فرمایا۔ حضرت مصعب ؓ کی محنت بارآور ہوئی اور اگلے سال مدینہ سے **72** مردوں اور **3** خواتین نے مکہ آ کر اسلام قبول کیا۔

مدینہ ہجرت کے بعد بھی آپ ﷺ نے اپنی دعوتی مساعی کو زیادہ توسیع نہیں دی۔ البتہ اگر کسی قبیلے کی طرف سے درخواست آتی تو آپ ﷺ تبلیغ کے لئے ساتھی بھیج دیتے۔ صلح حدیبیہ تک آپ ﷺ نے جزیرۂ نمائے عرب کی حدود سے باہر کسی دعوتی سرگرمی کا آغاز نہیں فرمایا۔ صلح حدیبیہ کے ذریعہ جب آپ ﷺ نے اسلام کو عرب کی ایک قوت تسلیم کرا لیا اور فتحِ مبین حاصل کر لی تو اب آپ ﷺ نے جزیرۂ نمائے عرب کے اندر بھی دعوتی سرگرمیوں کو وسعت

دی اور بیرون ملکِ عرب بھی کئی بادشاہوں کو دعوتی خطوط لکھے۔ ان بادشاہوں میں قیصر روم، ایران کا بادشاہ کسریٰ، مصر کا بادشاہ مقوقس، حبشہ کا بادشاہ نجاشی، بصریٰ کا والی شرحبیل بن عمرو اور یمامہ و بحرین کے امراء شامل تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے بادشاہوں کو جو خطوط لکھے، اس حوالے سے ایک افسوسناک واقعہ بصریٰ میں پیش آیا۔ یہاں پر قبیلہ غسان کا رئیس شرحبیل بن عمرو حاکم تھا جسے قیصر روم ہرقل نے اس منصب پر فائز کیا تھا۔ اس کی طرف نبی اکرم ﷺ نے حضرت حارث ؓ بن عمیر ازدی کو اپنے نامہ مبارک کے ساتھ بھیجا۔ شرحبیل نے بڑی سخت اذیت دے کر حضرت حارث ؓ کو شہید کر دیا۔ سفیر کا قتل کیا جانا درحقیقت اعلانِ جنگ شمار ہوتا ہے۔ ان صحابی ؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے جمادی الاولیٰ سن ۸ ہجری میں تین ہزار صحابہ کرام ؓ کا ایک لشکر حضرت زید بن حارثہ ؓ کی امارت میں روانہ فرمایا۔ شرحبیل بن عمرو ایک لاکھ کی نفری کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ قیصر روم نے مزید ایک لاکھ افراد شرحبیل کی مدد کے لئے بھیجے۔ موتہ کے مقام پر تین ہزار مسلمانوں کا دو لاکھ کفار کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ دونوں لشکروں کی نفری میں تعداد کا فرق بہت زیادہ تھا لیکن پھر بھی مسلمان بڑی بے جگری سے لڑے۔ اس معرکہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے اور باقی واپس مدینہ آ گئے۔ تاریخِ اسلام میں یہ معرکہ جنگِ موتہ کے نام سے مشہور ہے۔

جنگِ موتہ سے حضرت حارث ؓ کی شہادت کے بدلہ کا مقصد تو حاصل نہ ہوا لیکن اس سے مسلمانوں کا ایک رعب پورے علاقے پر قائم ہو گیا۔ اطراف کے قبائل حیران تھے کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں کہ اتنی چھوٹی سی نفری اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر سے ٹکرا گئی اور اتنا بڑا لشکر اُسے قابو نہ کر سکا۔ اس معرکہ نے رومی سلطنت کی چولیں ہلا دیں۔ ہرقل نے خطرہ محسوس کیا کہ اب عرب قبائل میں رومی تسلط سے آزادی اور مسلمانوں کی ہم نوائی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اُس نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو ایک ناقابلِ شکست خطرہ بننے سے پہلے پہلے کچل

دینا ضروری ہے۔ اُس نے رومیوں اور ماتحت عرب قبائل پر مشتمل ایک فوج کی تیاری شروع کردی تاکہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن اقدام کیا جاسکے۔

نبی اکرم ﷺ کو ہرقل کی اِن جنگی تیاریوں کی اطلاع مل رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اِس صورتِ حال کا دقتِ نظر سے جائزہ لے رہے تھے۔ آپ ﷺ سمجھ رہے تھے کہ اگر رُومیوں کو اِس وقت اُن کے عزائم سے باز نہ رکھا گیا تو وہ مسلمانوں کے زیرِ اثر علاقوں میں داخل ہوکر مدینہ تک پیش قدمی کریں گے۔ مسلمانوں کی فتوحات سے جو جاہلیت دم توڑ رہی ہے وہ دوبارہ زندہ ہوجائے گی۔ منافقین جو مسلمانوں پر گردشِ زمانہ کا انتظار کررہے ہیں پیچھے سے عین اُس وقت مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیں گے جب آگے سے رومیوں کا ریلا خونخوار حملے کررہا ہوگا۔ اِس طرح وہ ساری کوششیں رایگاں چلی جائیں گی جو آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کی تھیں اور بہت ساری کامیابیاں ناکامی میں تبدیل ہوجائیں گی جو طویل اور خونریز جنگوں اور مسلسل فوجی دوڑ دھوپ کے بعد حاصل کی گئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اِن نتائج کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ لہٰذا باوجود اسباب کی قلت کے آپ ﷺ نے خود آگے بڑھ کر اقدام (pre-ampt) کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ نے طے کیا کہ رومیوں کو دارالاسلام کی طرف پیش قدمی کی مہلت دیے بغیر خود اُن کے علاقے اور حدود میں داخل ہوکر اُن کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہرقل تبوک کے مقام پر اپنی افواج کو منظم کررہا ہے لہٰذا آپ ﷺ نے تبوک کے سفر کی تیاری شروع کردی۔

سفرِ تبوک کے موقع پر مشکلات

غزوۂ تبوک نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا آخری اور مشکل ترین معرکہ تھا۔ جس قسم کا شدید امتحان مسلمانوں کا غزوۂ احزاب میں لیا گیا تھا بالکل اُسی نوعیت کا اور بعض اعتبارات سے اُس سے بھی شدید آزمائش کا مرحلہ اِس موقع پر بھی درپیش تھا۔ سفرِ تبوک کے حوالے سے مسلمانوں

کو مندرجہ ذیل مشکلات کا سامنا تھا :

1 - اُس وقت دنیا میں دو بادشاہتوں کو بڑی طاقتیں تسلیم کیا جاتا تھا یعنی سلطنتِ ایران اور سلطنتِ روما۔ گویا غزوۂ تبوک میں وقت کی ایک بڑی طاقت سلطنتِ روما کے ساتھ مسلمانوں کا ٹکراؤ تھا۔

2 - موسم گرمیوں کا تھا اور گرمی بھی پوری شدت پر تھی۔

3 - سفر انتہائی طویل تھا۔ تبوک کا فاصلہ مدینہ سے تقریباً سات سو کلومیٹر ہے۔

4 - خوراک کی کمی کا یہ عالم تھا کہ دو ساتھیوں کو روزانہ ایک کھجور پر گزارا کرنا پڑتا تھا۔

5 - سواریوں کی کمی تھی اور اٹھارہ ساتھیوں کو باری باری ایک اونٹ پر سفر کرنا پڑتا تھا۔

6 - مدینہ میں کھجور کی فصل تیار ہونے کے قریب تھی۔ اگر فصل کو بروقت اتارا نہ جائے تو وہ درخت کے اوپر ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ اب جبکہ مرد سفر پر جا رہے تھے تو خواتین کے لئے پیچھے ممکن نہ تھا کہ وہ کھجور کی فصل اتار سکیں۔ اس فصل کے ضائع ہونے کی صورت میں آئندہ کے لئے بھی خوراک کی قلت کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔

مذکورہ بالا مشکلات کی وجہ سے غزوۂ تبوک کو "جیش العسرۃ" کہا جاتا ہے۔ دورِ نبوی ﷺ میں یہ واحد موقع تھا کہ اس میں نفیرِ عام کا حکم دیا گیا۔ ہر مسلمان سے کہا گیا کہ وہ نکلے۔ اگر کوئی عذر لاحق ہے تو رخصت کی اجازت حاصل کرے۔ مزید یہ کہ ہر مسلمان سے کہا گیا کہ وہ اس موقع پر جو بھی مال راہِ خدا میں دے سکتا ہے پیش کرے۔

اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے پکار

سورۂ توبہ میں چھٹے رکوع سے غزوۂ تبوک کے حوالے سے مضامین کا آغاز ہوتا ہے۔ اس رکوع کی ابتدائی چار آیات (38 تا 41) میں بڑے جھنجھوڑنے کے اسلوب میں اللہ کی راہ میں نکلنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى

الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿﴾(التوبہ :38)

''اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوگیا ہے جب تم سے کہا گیا کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم گرے جاتے ہو زمین کی طرف ۔کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ تو جان لو کہ دنیا کی زندگی کا یہ ساز وسامان آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔''

اس آیت میں اُن لوگوں کو جھنجھوڑا گیا ہے جو سفرِ تبوک کی مشکلات کو دیکھ کر اللہ کی راہ میں نکلنے سے گھبرا رہے تھے۔ انہیں دعوتِ فکر دی گئی کہ سوچو کیا تم نے آخرت کی دائمی اور بہتر نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی عارضی اور کمتر لذتوں کو ترجیح دے دی ہے؟ تمہاری کم ہمتی اور بزدلی کی وجہ یہ ہے کہ ''تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا '' تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ دنیا کی یہ چند روزہ زندگی اور اس کی لذتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص کو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے کہ میرا اصل مقصود دنیا ہے یا آخرت؟ اس کے بعد فرمایا:

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿﴾(التوبہ : 39)

''اگر تم نہیں نکلو گے (اللہ کی راہ میں) تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس آیت میں کان کھول دینے کے انداز میں سنایا گیا کہ اللہ کی راہ میں مال وجان لگانا اس امت کا ابدی مشن ہے۔ اگر تم اس مشن کا ساتھ نہ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹائے گا کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ سورۂ محمد ﷺ کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ''اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے، تو تمہیں ہٹا کر اللہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔'' اللہ اس محرومی سے محفوظ فرمائے۔ آمین! اگلی آیت میں ارشاد ہوا:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴿ (التوبہ : 40)

''اگر تم اُن (نبیؐ) کی مدد نہیں کرو گے پس اللہ نے تو اُن کی مدد کی تھی جب نکال دیا تھا اُنہیں کافروں نے (مکہ سے)، وہ دو میں کے دوسرے تھے، جب وہ دونوں تھے غار میں، جبکہ وہ اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) سے کہہ رہے تھے غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اتاری اُنؐ پر اپنی طرف سے تسکین اور مدد فرمائی اُنؐ کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ نے کافروں کی بات کو سب سے نیچے ڈال دیا اور اللہ کا کلمہ تو اونچا ہے ہی اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔''

اس آیت میں مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ دین کے غلبہ کے مشن کے لئے تمہارا ساتھ دینے کے محتاج نہیں ہیں۔ اللہ نے تو اپنے رسول ﷺ کی اُس وقت بھی دستگیری فرمائی جب کفار نے اُنہیں مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا تھا۔ غارِ ثور میں وہ اپنے ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بالکل تنہا تھے۔ مشرکینِ مکہ آپ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے عین غار کے دہانے پر پہنچ گئے تھے۔ اگر وہ ذرا سا جھک کے جھانک لیتے تو آپ ﷺ اُن کو نظر آ جاتے۔ ایسے میں آپ ﷺ نے اللہ پر اپنے کامل ایمان کا اظہار اِن الفاظ میں کیا کہ ''اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' یہ ہے اللہ پر توکل کی اعلیٰ ترین مثال کہ اسباب انتہائی درجہ میں مخالف ہیں لیکن اللہ کی معیت کے احساس سے اللہ کا بندہ پُرسکون ہے۔ اللہ کی ذات پر توکل کرنے والے اِس بندے کی مدد قدرت نے اِس طرح کی کہ ایک مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا تان دیا اور ایک کبوتری نے وہاں آ کر انڈے دے دیے۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی مدد فرمائی فرشتوں کے ذریعہ جنہیں عام انسان نہیں دیکھ سکتا۔ اللہ نے کافروں کی سازش ناکام کی

اور اللہ کی بات تو ہمیشہ ہی سے اوپر ہے۔ اس کے بعد فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ (التوبہ : 41)

''نکلو (اللہ کی راہ میں) چاہے ہلکے ہو اور چاہے بوجھل۔ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مال کے ساتھ۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھو۔''

ہلکے اور بوجھل کے دو مفہوم ہیں۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ خواہ تم خالی ہاتھ ہو یا تمہارے پاس ساز و سامان ہو دونوں صورتوں میں اللہ کی راہ میں نکلو۔ دوسرے مفہوم کا تعلق انسان کی باطنی کیفیت سے ہے۔ طبیعت میں اگر کسی کام کے لئے آمادگی ہو تو انسان اُس کام کو ہلکا محسوس کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی کام کے لئے انشراح نہیں تو انسان خود پر جبر کر کے وہ کام کرتا ہے اور اسی کو طبیعت کا بوجھل ہونا کہتے ہیں۔ اس آیت میں حکم ہے کہ خواہ طبیعت آمادہ ہو یا نہ ہو تم اللہ کی راہ میں نکلو۔ یہ وہی اسلوب ہے جس کا ذکر ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ :

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ؓ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ

''عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی سننے اور اطاعت کرنے کی مشکل اور آسانی میں، دلی آمادگی اور ناگواری میں۔''

آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرو۔ اگر تمہیں علمِ حقیقت حاصل ہے تو یہ جہاد کرنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ قرآن کے نزدیک علمِ حقیقت وہ ہے جو آخرت میں انسان کے لئے مفید ہو اور وہاں اُسے ابدی سعادت سے سرفراز کر دے۔ متذکرہ بالا آیات میں اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے جھنجھوڑنے کے انداز میں تلقین کی گئی۔ آیات **120** اور **121** میں ایک جذباتی اور ترغیب کے انداز میں اس کی طرف دعوت دی گئی ہے :

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ

اللّٰہِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ ط ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَطَؤُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿﴾ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَۃً صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿﴾

’’روا نہیں ہے اہلِ مدینہ اور اطراف میں بسنے والے دیہاتیوں کے لئے کہ وہ پیچھے رہ جائیں اللہ کے رسولؐ سے اور یہ کہ محبوب رکھیں اپنی جان کو اُن کی جان سے۔ اس لئے کہ اُنہیں نہیں پہنچتی اللہ کی راہ میں کوئی پیاس اور نہ محنت، اور نہ بھوک اور وہ نہیں قدم رکھتے کسی میدان میں جس سے دل جلیں کافروں کے اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی شے مگر یہ سب لکھا جاتا ہے اُن کے لئے عملِ صالح کے طور پر۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور نہ خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا اور نہ طے کرتے ہیں کوئی وادی مگر یہ سب لکھا جاتا ہے اُن کے حق میں تاکہ بدلہ دے اللہ اُن کو بہتر اُس کام کا جو وہ کرتے ہیں۔‘‘

منافقین پر اللہ کا غیظ و غضب

سفرِ تبوک کے انتہائی مشکل موقع پر نفیرِ عام کے حکم اور مال و اسباب کے لئے عطیہ کی اپیل نے آزمائش کی ایسی صورت پیدا کر دی کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا ہو گیا۔ صاحبِ ایمان علیحدہ ہو گئے اور جن کے دلوں میں نفاق تھا وہ واضح طور پر نمایاں ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ توبہ میں منافقین کے حوالے سے سخت ترین آیات وارد ہوئی ہیں۔ منافقین میں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے جھوٹے بہانے بنا کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر سفر سے پہلے ہی رخصت حاصل کر لی۔ کچھ نے اس ناپاک امید پر رخصت نہ لی کہ اب مسلمان واپس نہ آ سکیں گے کیونکہ وقت کی ایک عظیم طاقت سے لڑنے جا رہے ہیں۔ البتہ جب اللہ نے مسلمانوں کو سرخرو کر کے

واپس کر دیا تو پھر آ کر معذرتیں کرنے لگے۔ سورۂ توبہ کی آیات 42 تا 93 کے اکثر حصہ میں منافقین کے پہلے گروہ کی مذمت ہے اور آیات 94 تا 96 میں دوسرے گروہ کی۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿ (التوبہ : 42)

''اے نبیؐ اگر مال غنیمت قریب ہی ہوتا اور سفر بھی چھوٹا ہوتا، تو وہ ضرور آپؐ کے ساتھ ہو لیتے لیکن طویل نظر آتی ہے اُن کو مسافت اور اب وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہم سے ہوسکتا تو ہم ضرور چلتے تمہارے ساتھ۔ وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جانوں کو اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔''

اس آیت میں منافقانہ کردار کی تمام برائیاں بیان کر دی گئی ہیں۔ مال و اسباب دنیوی سے محبت، دین کے لئے محنت سے جی چرانا، اپنی بزدلی اور کم ہمتی پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹے بہانے تراشنا اور ان بہانوں میں وزن پیدا کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھانا، منافقانہ کردار کی نمایاں علامات ہیں۔ بظاہر منافقین اپنے آپ کو مشقت سے بچا رہے ہیں لیکن درحقیقت اللہ کی راہ میں نکلنے کی سعادت سے محروم ہو کر ہمیشہ ہمیش کی ہلاکت کا سودا کر رہے ہیں۔ اگلی آیت میں بظاہر خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن اس میں بھی منافقین کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے:

عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿ (التوبہ : 43)

''اللہ آپؐ سے درگزر فرمائے، آپؐ نے کیوں رخصت دی ان (منافقین) کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپؐ پر سچ کہنے والے اور آپؐ جان لیتے جھوٹوں کو۔''

نبی اکرم ﷺ شرافت و مروّت کا پیکر تھے۔ آپ ﷺ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک شخص جھوٹا

عذر پیش کر رہا ہے اُسے شرمندہ نہیں کرتے تھے۔منافقین جھوٹے بہانے کرتے اور آپ ﷺ اُن کا عذر قبول فرما لیتے۔وہ بد بخت باہر جا کر مذاق اڑاتے کہ "هُوَ اُذُنٌ" "محمدؐ تو نرے کان ہیں (التوبہ : 61)۔ہم جو بہانہ کریں، وہ ہمارے جھوٹ کو سمجھتے ہی نہیں بلکہ اُس پر یقین کر لیتے ہیں۔گویا وہ آپ ﷺ کی نرمی کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے۔اللہ نے اِس آیت میں آپ ﷺ کو متوجہ فرمایا کہ آپ ﷺ نے کیوں اُنہیں اجازت دی؟ اگر آپ ﷺ اُنہیں اجازت نہ دیتے اور فرماتے کہ تمہارا عذر ایک ایسے موقع کے لئے کافی نہیں ہے جبکہ اسلام کو ایک بڑی آزمائش اور سخت معرکہ کا سامنا ہے۔آپ ﷺ کے اجازت نہ دینے کے باوجود اُنہوں نے جانا نہیں تھا اور اِس طرح اُن کے نفاق کا پردہ چاک ہو جاتا۔اِس کے بعد آیات 44 اور 45 میں ارشاد ہوتا ہے :

لَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ﴿﴾ اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ﴿﴾

"نہیں رخصت مانگتے آپؐ سے وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر اِس سے کہ وہ جہاد کریں اپنے مال اور جان سے (اللہ کی راہ میں) اور اللہ خوب جانتا ہے پرہیز گاروں کو۔رخصت وہی مانگتے ہیں آپؐ سے جو ایمان نہیں رکھتے اللہ اور آخرت کے دن پر اور شک میں پڑے ہیں دل اُن کے سو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں۔"

سورۂ حجرات کی آیت 15 میں یہ بات ہم پڑھ چکے ہیں کہ :

"مومن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اُس کے رسولؐ پر پھر کسی شک میں نہ پڑے اور اُنہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے اور یہی لوگ سچے ہیں۔"

گویا جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔کیسے ممکن ہے کہ کسی کے اندر ایمانِ حقیقی موجود ہو اور وہ آکر آپ ﷺ سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے حوالے سے رخصت طلب کرے۔

رخصت وہی لوگ چاہتے ہیں جو حقیقت میں ایمان نہیں رکھتے ۔زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اُن کے دل نورِ ایمان سے محروم ہیں ۔اگلی آیت میں واضح کیا گیا :

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿ (التوبہ : 46)

''اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان اُس کا لیکن پسند نہ کیا اللہ نے اُن کا اُٹھنا سو روک دیا اُن کو اور (اُن سے) کہہ دیا گیا بیٹھ رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ۔''

جس شخص کا ارادہ نیک کام کا ہو وہ اُس کے لئے اپنی ہی کوشش کرتا ہے۔پھر اللہ کی توفیق حاصل ہوتی ہے اور اُسے نیک کام کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔گویا نیکی کے لئے انسان کی کوشش اور اللہ کی توفیق دونوں ضروری ہیں۔منافقین نے اللہ کی راہ میں نکلنے کی تیاری ہی نہیں کی اور اللہ نے بھی اُنہیں اِس کارِ خیر کی توفیق سے نہ صرف محروم رکھا بلکہ گھر بیٹھ رہنا اُن کے لئے مقدر کر دیا۔اِس محرومی کی وجہ آیات 47 اور 48 میں بیان کی جا رہی ہے :

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿

''اگر وہ تم میں (شامل ہوکر) نکلتے تو تمہارے لئے اضافہ نہ کرتے مگر خرابی کا اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے درمیان فساد ڈالنے کے لئے اور تم میں اُن کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔یہ پہلے بھی (اے نبیؐ) آپؐ کے لئے معاملات تلپٹ کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آپہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ ناخوش ہی رہے۔''

منافقین کی یہ عادت تھی کہ اگر کبھی سچے مومنوں کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک بھی ہو جاتے تو جاہلیت کی عصبیتوں کو بیان کرکے اور باہم غلط فہمیاں پیدا کرکے جھگڑا فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر جس طرح عبداللہ بن ابی نے

انصارِ مدینہ کو مہاجرین کے خلاف اُکسایا تھا۔ فتح مکہ تک منافقین نے اسلامی تحریک کو ناکام کرنے کی پوری کوشش کی لیکن جب مکہ فتح ہوا اور دین غالب ہوگیا تو اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ مسلمانوں کو اِن آیات میں تسلی دی گئی کہ اگر منافقین اِس سفرِ تبوک میں بھی ساتھ ہوتے تو اپنی روش سے باز نہ آتے۔ اچھا ہوا اللہ نے اُن کی شرارتوں سے محفوظ کردیا۔ البتہ آگاہ کیا گیا کہ تمہاری صفوں میں کچھ ایسے کمزور ایمان والے ہیں جو اُن منافقین کی باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں یا اُن کے لئے جاسوسی کرتے ہیں اور تمہاری خبریں اُن تک پہنچاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خبردار کردیا گیا کہ اللہ اُن کے احوال سے خوب واقف ہے۔ اگلی آیت میں ایک خاص منافق کے عذر کا بیان ہے:

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٤٩﴾ (التوبہ: 49)

"اور اِن میں سے وہ بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے۔ جان لو! فتنے میں تو وہ پڑ گئے اور جہنم اِن کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔"

اِس آیت میں ایک نہایت ہی بدباطن منافق جد ابن قیس کا ذکر ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی موجود تھا لیکن بیعتِ رضوان کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا۔ تبوک کے سفر پر جانے سے اِس نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ میں بڑا حسن پرست قسم کا آدمی ہوں۔ رومی عورتیں بڑی حسین ہوتی ہیں۔ میں اُن کو دیکھ کر قابو میں نہ رہ سکوں گا۔ لہٰذا مجھے رخصت دے دی جائے اور فتنہ میں نہ ڈالا جائے۔ اللہ نے اِس آیت کے ذریعہ اُس بدبخت کی ظاہری پرہیزگاری کا پردہ چاک کردیا اور فرمایا اللہ کی راہ میں نکلنے سے بچنے کے لئے جھوٹے بہانے کرکے وہ فتنہ میں مبتلا تو ہو گئے۔ اب اِن بدنصیبوں کا مقدر جہنم ہے جس نے اِن کو گھیر لیا ہے۔ اگلی تین آیات میں منافقین کی سچے مسلمانوں سے نفرت اور اِس حوالے سے بڑی اہم رہنمائی کا بیان ہے:

إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا

مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۠ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿﴾ (التوبہ: 50 - 52)

"(اے نبیؐ) اگر کوئی خیر پہنچے آپؐ کو تو انہیں بُری لگتی ہے اور اگر کوئی سختی آتی ہے آپؐ پر تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا معاملہ پہلے ہی سیدھا کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں۔ کہہ دیجئے ہمیں ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لئے۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ کہہ دیجئے کہ تم کیا امید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کی اور ہم تمہارے حق میں منتظر ہیں کہ بھیجے اللہ تم پر کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں۔ سو انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔"

یہ منافقت کا وہ آخری درجہ (stage) ہے جس میں ایک منافق کو سچے مسلمانوں سے شدید دشمنی ہو جاتی ہے۔ اُن کی کامیابیوں پر جلن ہوتی ہے اور اُن کی بظاہر ناکامی پر خوشی۔ مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ کے توسط سے تلقین کی گئی کہ منافقین کو سنا دیں کہ ہم پر جو بھی حالات آتے ہیں ہم اُن پر راضی ہیں۔ یہ حالات اللہ کی طرف سے آتے ہیں جو ہمارا مولا اور بہترین خیر خواہ ہے۔ ہمیں ہر صورت میں اللہ کی طرف سے خیر کی امید ہے۔ اگر کوئی مشکل آئی تو ہم صبر کریں گے اور کوئی کامیابی نصیب ہوئی تو شکر کریں گے اور دونوں صورتوں میں ہمیں اللہ سے اجر کی امید ہے۔ اگر ہم اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے تو ہمارا تو مطلوب ہی یہ ہے اور اگر ہم کامیاب ہو کر لوٹ آئے تو تم بھی کہو گے کہ کامیاب ہو گئے۔ ہمارے لئے تو دونوں انجام حسین ہیں۔

گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اس کے بعد منافقین سے کہا گیا کہ تمہارے بارے میں بھی دو صورتوں کا امکان ہے۔ تمہاری

شرارتوں کی وجہ سے اللہ تمہیں اپنے ہاتھوں عذاب دے گا یا تمہارے خلاف ہمیں اقدام کی اجازت دے دے گا۔ پس تم انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

منافقین نہ صرف تبوک جانے سے خود محروم رہے بلکہ اُنہوں نے دوسروں کو بھی باز رکھنے کی کوشش کی۔ اُن کی اِس روش کا ذکر آیات **81** اور **82** میں بڑے لرزا دینے والے انداز میں بیان کیا گیا ہے:

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿﴾

''خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے جدا ہو کر اللہ کے رسولؐ سے اور اس بات کو ناپسند کیا کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور (دوسروں سے) کہنے لگے کہ مت نکلو گرمی میں۔ (اے نبیؐ) کہہ دیجیے دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھتے! سو وہ ہنس لیں تھوڑا اور روئیں بہت سا۔ بدلہ ملے گا اُس کا جو وہ کما رہے ہیں۔''

منافقین اس دنیا کی گرمی سے گھبرا کر اللہ کی راہ میں نہیں نکلے لیکن اس جرم کی سزا کے طور پر اُنہیں ہمیشہ ہمیش کی جہنم کی آگ میں جلنا ہوگا جس کی تپش دنیا کی آگ سے اُنہتر (۶۹) درجہ زیادہ ہوگی (ترمذی)۔

منافقین کا دوسرا گروہ وہ تھا جس نے تبوک سے واپسی کے بعد نبی اکرم ﷺ سے جھوٹے بہانے کر کے معذرت کی۔ ان منافقین کا ذکر آیات **94** تا **96** میں آیا ہے:

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ

وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿﴾ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿﴾ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿﴾

''بہانے لائیں گے تمہارے پاس جب تم لوٹ کر جاؤ گے اُن کی طرف۔ (اے نبیؐ) کہہ دیجئے بہانے مت بناؤ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہاری بات۔ بتا چکا ہے اللہ ہمیں تمہارے سب حالات اور ابھی دیکھیں گے اللہ اور اُس کے رسولؐ تمہارا عمل پھر تم لوٹائے جاؤ گے ظاہر اور پوشیدہ کے جاننے والے (اللہ) کے پاس سو وہ بتائے گا تمہیں جو تم کر رہے تھے۔ اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم لوٹ کر جاؤ گے اُن کی طرف تا کہ تم اُن سے درگزر کرو، سو درگزر کرو اُن سے۔ بے شک وہ ناپاک لوگ ہیں اور اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے، بدلا ہے اُس کمائی کا جو وہ کرتے رہے۔ وہ لوگ قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے تا کہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم راضی ہو گئے اُن سے تو اللہ راضی نہیں ہوتا نافرمان لوگوں سے۔''

تبوک کے سفر میں ساتھ نہ دینے کی وجہ سے اللہ نے منافقین کے بارے میں چار سخت احکامات صادر فرمائے:

1- منافقین کے عطیات قبول کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ آیت **53** میں ارشاد ہوا:

قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿﴾

''(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ تم (مال) خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، تم نافرمان لوگ ہو۔''

منافقین پر اللہ کی راہ میں مال اور جان دونوں لگانا بہت بھاری تھے۔ البتہ جان زیادہ عزیز تھی۔ جب اُن کی جان پر بن آتی ہے تو مال پیش کر دیتے کہ کسی طریقہ سے جان بچ

جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہمارے صدقات قبول کر لئے جائیں تاکہ کسی درجہ میں تو ہم اپنے آپ کو مسلمانوں کی صف میں شامل رکھ سکیں۔ اس آیت کے ذریعہ منافقین کی جھوٹی تسلی کا یہ دروازہ بھی بند کر دیا گیا۔

2- نبی اکرم ﷺ کو منافقین کے لئے استغفار کی دعا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (التوبہ: 80)

''(اے نبیؐ) آپؐ اُن کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں، اگر آپؐ اُن کے لئے ستر بار بھی بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ اُن کو نہیں بخشے گا۔''

روزِ قیامت گناہ گاروں کی بخشش کی ایک امید نبی اکرم ﷺ کی دعائے شفاعت ہے۔ یہ کس قدر محرومی ہے کہ منافقین کے حق میں آپ ﷺ کی دعائے شفاعت قبول نہ کی جائے گی۔

3- منافقین کو آئندہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جہاد میں شرکت سے محروم کر دیا گیا۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿﴾ (التوبہ: 83)

''پھر اگر اللہ آپؐ کو اُن میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے اور وہ آپؐ سے (جہاد کے لئے) نکلنے کی اجازت چاہیں تو کہہ دیجئے گا کہ تم ہرگز نہیں نکلو گے میرے ساتھ کبھی بھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر دشمن سے۔ تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔''

غزوۂ تبوک نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری غزوہ تھا، لہٰذا منافقین اس وجہ سے بھی ہمیشہ کے لئے آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کی سعادت سے محروم ہو گئے۔

4- نبی اکرم ﷺ کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے اور اُن کی قبر پر کھڑے ہو کر اُن کے حق

میں دعا سے منع کر دیا گیا:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿﴾ (التوبہ: 84)

"اور (اے نبیؐ!) نماز نہ پڑھیں (جنازے کی) اُن میں سے کسی کی جو مر جائے کبھی بھی اور نہ کھڑے ہوں اُس کی قبر پر۔ وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کرتے رہے اور مرے بھی تو نافرمان (ہی مرے)۔"

مومنین کے لئے اللّٰہ کی طرف سے تحسین

غزوۂ تبوک میں شرکت کے حوالے سے سچے مسلمانوں کے پانچ گروہ تھے جن کا سورۂ توبہ میں علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا:

1 - پہلا گروہ اُن مومنین صادقین کا تھا جنہوں نے اس موقع پر مال جان سے اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دیا۔ اللہ نے آیات 88 اور 89 میں اُن کی مدح اس طرح فرمائی:

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿﴾

"لیکن رسولؐ اور جو لوگ ایمان لائے اُن کے ساتھ، اُنھوں نے جہاد کیا اپنے مال اور جان سے، اُنہی کے لئے ہیں بھلائیاں اور وہی ہیں مُراد کو پہنچنے والے۔ تیار کر رکھے ہیں اللہ نے اُن کیلئے باغات، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہیں گے اُن میں۔ یہی ہے شاندار کامیابی۔"

یہ تبوک ہی کا موقع تھا جب مسلمانوں نے صدقہ و خیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی بے نظیر مثالیں پیش کیں۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنا آدھا مال لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس امید کے ساتھ کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے

سبقت لے جائیں گے۔ لیکن اُن کی یہ نیک خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا پورا مال پیش کر چکے تھے اور گھر پر صرف اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا نام چھوڑ آئے تھے :

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے تبوک کے موقع پر اتنا مال و اسباب پیش کیا کہ اللہ نے سورہ بقرۃ کی آیت **261** اِسی موقع پر نازل فرمائی :

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿﴾

''اُن لوگوں کے خرچ کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانے کی سی ہے جو اُگائے سات بالیاں، ہر بالی میں ہوں سو دانے اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اور بڑھا دیتا ہے اور وہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اللہ نے آیت **117** میں بھی اُن صحابہ کرامؓ کی تحسین فرمائی جنہوں نے سفرِ تبوک کی مشکل گھڑیوں میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا :

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۗ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿﴾

''بے شک اللہ مہربان ہوا نبیؐ اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبیؐ کے مشکل کی گھڑی میں بعد اِس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں اُن میں سے ایک گروہ کے پھر مہربان ہوا اللہ اُن پر۔ بے شک وہ اُن پر نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے۔''

تبوک کا سفر انتہائی پُر صعوبت تھا۔ گرمی کی شدت، سفر کی طوالت، سواریوں کی کمی

اور خوراک کی ایسی قلت کہ کھانے کے لئے بسا اوقات درختوں کی پتیاں استعمال کرنی پڑتی تھیں جس سے ہونٹوں میں ورم آ گیا تھا۔ مجبوراً اونٹوں کو قلت کے باوجود نحر کرنا پڑتا تا کہ نہ صرف اُن کا گوشت کھایا جا سکے بلکہ پانی کی کمی کی وجہ سے اُن کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری پی جا سکے۔

2- دوسرا گروہ اُن مومنوں کا تھا جو معذور تھے یا کسی حقیقی عذر کی وجہ سے اللہ کی راہ میں نکلنے سے قاصر تھے۔ آیت **91** میں اِن کا ذکر اِس طرح ہوا :

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿﴾

''کوئی حرج نہیں ضعیفوں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن پر جن کے پاس نہیں ہے کچھ خرچ کرنے کو جبکہ وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے وفادار ہوں اور نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اِن کے متعلق نبی علیہ ﷺ نے بھی مدینہ کے قریب پہنچ کر فرمایا تھا: ''مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے جس جگہ بھی سفر کیا اور جو وادی بھی طے کی وہ تمہارے ساتھ رہے، اُنہیں عذر نے روک رکھا تھا''۔ لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ علیہ ﷺ! وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی (ہمارے ساتھ تھے)؟ آپ علیہ ﷺ نے فرمایا: ''(ہاں) مدینہ میں رہتے ہوئے بھی۔''

3- تیسرا گروہ اُن مومنوں کا تھا جو اللہ کی راہ میں نکلنا چاہتے تھے لیکن اُن کے پاس اِس کے لئے اسباب نہ تھے۔ اللہ نے آیت **92** میں اُن کی بھی مدح فرمائی :

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿﴾

''اور نہ اُن لوگوں پر الزام ہے کہ جو (اے نبیؐ) آپؐ کے پاس آتے کہ آپؐ اُن کو سواری

دے دیں اور آپؐ فرماتے کہ میں تمہیں سوار کرنے کے لئے کچھ نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں واپس ہوتے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے اس غم میں کہ وہ خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں پا رہے ہیں۔''

4- چوتھا گروہ اُن مومنوں کا تھا جو بغیر کسی حقیقی عذر کے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نہیں نکلے۔ جب اُنہیں اللہ کے رسول ﷺ کی واپسی کا علم ہوا تو اس قابل نہ تھے کہ شرمندگی کے مارے اللہ کے رسول ﷺ کا سامنا کر سکیں، لہٰذا اُنہوں نے خود کو ستونوں سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ کے رسول ﷺ اُنہیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے وہ اسی طرح سے بندھے رہیں گے۔ اس گروہ کے حق میں آیات 102 تا 105 نازل ہوئیں:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿﴾

''اور کچھ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اقرار کیا اپنے گناہوں کا۔ ملایا اُنہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بُرا۔ قریب ہے کہ اللہ مہربان ہو اُن پر۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اُن کے مال میں سے (اے نبیؐ) صدقات قبول کیجئے۔ (اس طرح) اُنہیں پاک کیجئے (گناہوں سے) اور صاف کیجئے (اُن کا دل دنیا کی محبت سے)۔ نیز اُن کے لیے دُعائے خیر کیجئے۔ بلاشبہ آپؐ کی دُعا اُن کے لیے باعثِ تسکین ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے اور لیتا ہے صدقات اور بے شک اللہ ہی

توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور اُن سے کہہ دیجئے (اے نبیؐ) کہ عمل کئے جاؤ، پھر اللہ دیکھے گا تمہارا عمل اور اُس کے رسولؐ اور مومن اور تم جلد لوٹائے جاؤ گے ظاہر اور پوشیدہ کے جاننے والے (اللہ) کے پاس سو وہ بتائے گا تمہیں جو تم کر رہے تھے۔"

5- پانچویں گروہ میں تین صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ ان کے نام ہیں حضرت کعبؓ بن مالک، حضرت ہلالؓ بن اُمیہ اور حضرت مرارہؓ بن ربیع۔ یہ حضرات بھی بغیر کسی حقیقی عذر کے غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہے۔ جب نبی اکرم ﷺ واپس مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے جا کر اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی کہ ہم جھوٹا بہانہ کرکے دنیا کی سزا سے تو بچ سکتے ہیں لیکن آخرت کے عذاب سے نہیں۔ اُنہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرکے خود کو سزا کے لئے پیش کر دیا۔ اُن کے بارے میں پہلے آیت **106** نازل ہوئی :

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

"اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اللہ کے حکم کے انتظار میں ہیں، چاہے وہ اُن کو عذاب دے اور چاہے معاف کر دے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

اس آیت کے نزول کے بعد تمام صحابہؓ کو اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ مذکورہ تینوں ساتھیوں سے قطع تعلق کر لیں۔ صحابہؓ نے بڑی سختی سے اس حکم پر عمل کیا۔ رومیوں نے اس موقع پر حضرت کعبؓ بن مالک کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور اعزاز و اکرام کا وعدہ کیا لیکن اُنہوں نے اس پیشکش کو رد کر دیا۔ چالیس روز بعد ان حضرات کو حکم ہوا کہ بیویوں کو بھی اُن کے والدین کے گھر بھیج دیں۔ ان حضرات نے اس حکم پر بھی فوراً عمل کیا۔ پچاس روز کے بعد اللہ کی طرف سے آیت **118** میں ان حضرات کی بھی معافی کا فیصلہ وارد ہو گیا :

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ

عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾

"اور اُن تینوں پر بھی (مہربان ہوا اللہ) جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادگی کے اُن پر تنگ ہوگئی اور اُن کی جانیں بھی اُن پر تنگ ہوگئیں اور اُنھوں نے جان لیا کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اُسی کی طرف، پھر مہربان ہوا اللہ اُن پر تا کہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

اِن حضرات کے اِس واقعہ کی بڑی ایمان افروز اور سبق آموز تفصیل بخاری اور مسلم کی اُس طویل حدیث میں موجود ہے جسے حضرت کعبؓ بن مالک نے بیان فرمایا ہے۔

تبوک کا سفر اور واپسی

غزوۂ تبوک میں کوئی جنگ ہوئی ہی نہیں۔ مسلمان جب تبوک پہنچے تو رومی پیچھے ہٹ گئے اور جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی۔ گویا معاملہ یہ تھا کہ بس ایک امتحان لینا مقصود تھا۔ ایک شدید آزمائش کی چھلنی سے گزار کر واضح کر دیا گیا کہ کون سچے مومن ہیں اور کون پکے منافق۔

نبی اکرم ﷺ رجب سن 9 ہجری میں تیس ہزار ساتھیوں کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ پندرہ روز آپ ﷺ کا سفر ہے جانے کا اور پندرہ روز آنے کا۔ بیس دن آپ ﷺ نے تبوک میں قیام فرمایا۔ آپ ﷺ کی آمد سے قبل ہرقل علاقے میں موجود تھا، لیکن آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع پا کر پیچھے ہٹ گیا۔

ہرقل تورات اور انجیل کا عالم تھا۔ اُس پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے اور آخری نبی ﷺ ہیں۔ جب حضرت دحیہ کلبیؓ آپ ﷺ کا خط لے کر اُس کے پاس گئے تھے تو اُس نے کئی سوالات پوچھنے کے بعد تصدیق کی تھی کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور آپ ﷺ کی حکومت یہاں تک پہنچے گی جہاں میرے قدم رکھے ہوئے ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ پوری رومی سلطنت آپ ﷺ پر ایمان لا کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔ ہرقل کے اِس ارادے کی درباریوں اور مذہبی رہنماؤں نے شدید مخالفت کی۔ بادشاہت ہرقل کے پاؤں کی بیڑی بن

گئی اور وہ چند روزہ دنیوی اقتدار کی خاطر اسلام قبول کرنے اور ہمیشہ ہمیش کی سعادتیں حاصل کرنے سے محروم رہا۔ ہرقل کو یہ گمان نہیں تھا کہ نبی اکرم ﷺ بذاتِ خود مقابلہ کے لئے تبوک تشریف لائیں گے۔ جب اُسے آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ملی تو چونکہ وہ جانتا تھا کہ اللہ کے نبی سے مقابلہ کا کیا نتیجہ نکلے گا، لہٰذا اُس نے پسپائی اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔

نبی اکرم ﷺ نے ہرقل سے مقابلہ کے لئے تبوک سے آگے پیش قدمی نہیں فرمائی۔ تبوک میں قیام کے دوران آپ ﷺ نے قرب جوار میں آباد قبائل سے معاہدات کیے اور اُن قبائل نے اسلامی حکومت کی تابعداری اور خراج دینا منظور کرلیا۔ اِس پورے علاقے پر مسلمانوں کا جو دبدبہ جنگِ موتہ سے قائم ہوا تھا، وہ اور مستحکم ہوگیا۔ اِس کے بعد آپ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لے آئے۔

ایک اہم اخلاقی ہدایت :

سفرِ تبوک میں کہیں راستے میں پڑاؤ کے وقت یا تبوک میں قیام کے موقع پر کبھی دورانِ گفتگو یہ تذکرہ ہوتا کہ فلاں ہمارے ساتھی تھے۔ وہ تو ہمارے گمان کے مطابق سچے مومن تھے۔ کیا ہوا؟ وہ کیوں نہیں آئے؟ یعنی اُن کے بارے میں شکوک وشبہات اب ذہنوں میں پروان چڑھنے لگے کہ شاید وہ بھی منافقین میں سے تھے کہ جو ساتھ نہیں آئے۔ ایسی باتوں پر آپ ﷺ جواب دیتے :

دَعُوْهُ فَإِنْ يَّكُ فِيْهِ خَيْرٌ فَسَيُلْحِقُهُ اللّٰهُ بِكُمْ وَاِنْ يَّكُ غَيْرُ ذٰلِكَ فَقَدْ اَرَاحَكُمُ اللّٰهُ مِنْهُ (ابن کثیرؒ)

”چھوڑو اُس کے تذکرہ کو۔ اگر اُس میں کوئی خیر ہے تو اللہ اُسے تمہارے ساتھ ملادے گا اور اگر اُس میں خیر نہیں ہے تو (شکر ہے) اللہ نے تمہیں اُس سے عافیت بخشی۔“

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بہت ہی سبق آموز ہے۔ دینی تحریکوں میں اس طرح کی صورتِ حال پیش آتی رہتی ہے۔ اِس قولِ مبارک میں ایک ابدی رہنمائی ہے۔ اگر کسی بھائی میں خیر ہوگا تو وہ بلاشرعی عذر، کسی لازمی اجتماع سے غیر حاضری کی صورت میں غلطی کا اعتراف کرے گا اور

اللہ سے بھی استغفار کر لے گا۔ اگر اُس شخص میں کوئی شر ہے تو ساتھ آ کر ضرور کوئی فتنہ اُٹھاتا۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اُس شخص کی ایذا رسانی سے نجات مل گئی۔

غزوہ تبوک کے اثرات

یہ غزوہ جزیرۃ العرب اور قرب وجوار میں مسلمانوں کا اثر قائم کرنے اور اُسے تقویت پہنچانے میں بڑا کارگر ثابت ہوا۔ لوگوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اب جزیرۃ العرب میں اسلام کی طاقت کے سوا اور کوئی طاقت زندہ نہیں رہ سکتی۔ اِس طرح جاہلیت کے علم برداروں اور منافقین کی وہ باقیماندہ آرزوئیں اور اُمیدیں بھی ختم ہوگئیں جو مسلمانوں کے خلاف گردشِ زمانہ کے انتظار میں اُن کے دل میں پنہاں تھیں۔ اُن کی ساری اُمیدوں اور آرزوؤں کا محور رُومی طاقت تھی اور اِس غزوے میں اُس کا بھی بھرم کھل گیا تھا۔ اب اِن اسلام دشمن عناصر کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ اِسلام کو ایک غالب اور ناقابلِ شکست قوت کے طور پر تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔

صبر وثبات کی اعلیٰ ترین مثال -- سیرۃ النبی ﷺ

منتخب نصاب کے پانچویں حصہ میں ہم نے سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں راہِ حق میں صبر وثبات کی اعلیٰ ترین مثال کو سمجھنے کی کوشش کی۔ نبی اکرم ﷺ صبر واستقامت کا وہ پہاڑ تھے جنہوں نے تن تنہا غلبہ دینِ حق کی جدوجہد کا آغاز کیا، بدترین تشدد، پرکشش لالچ اور دلفریب سودے بازی کا کوئی اثر لئے بغیر اپنے مشن کو جاری وساری رکھا۔ انفرادی واجتماعی آزمائشوں کے طویل سلسلہ سے گزر کر نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں دینِ حق کو غالب کر دیا بلکہ قلتِ اسباب کے باوجود وقت کی ایک بڑی طاقت کے خلاف پیشگی اقدام (pre-ampt) کر کے دینِ حق کی ایک دھاک قرب وجوار میں بٹھا دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ ﷺ کے اُسوہ پر چلتے ہوئے دینِ حق کے لئے جدوجہد کی توفیق عطا فرمائے اور اِس راہ کی ہر مشکل وآزمائش پر صبر کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین